چمنستانِ نعت

۲۰/ویں صدی کے اُردو کے مشاہیر نعت گو شعرا کے کلام کا نمائندہ انتخاب

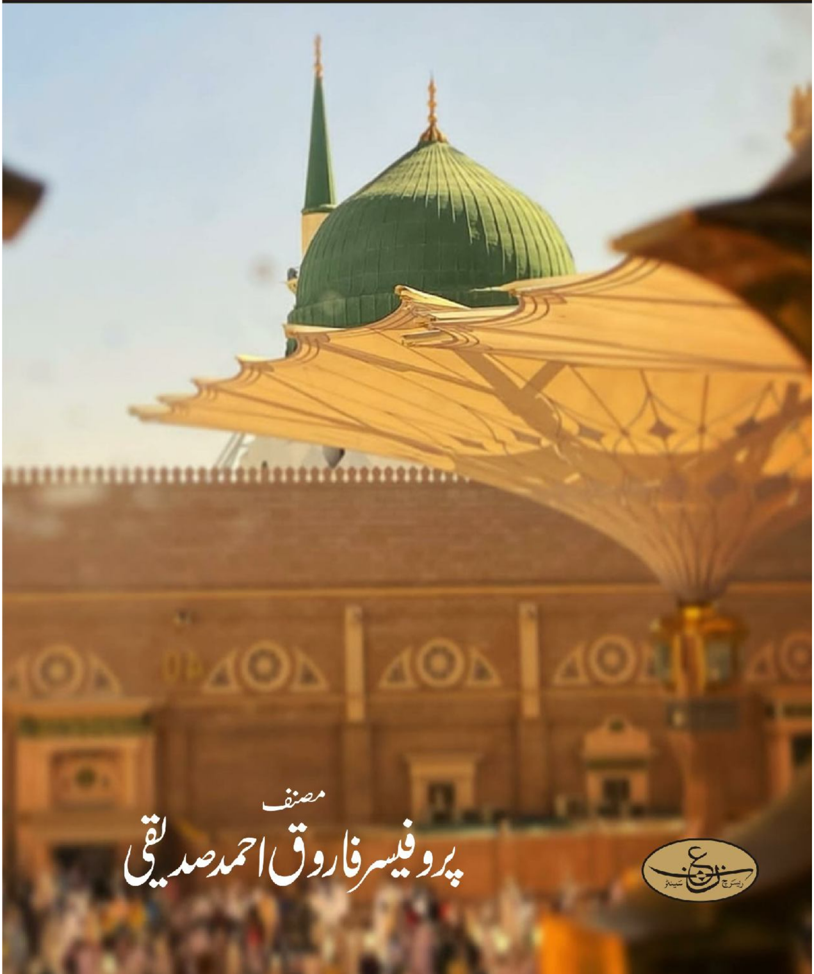

مصنف

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

چمنستانِ نعت

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

چمنستانِ نعت

(۲۰؍ویں صدی کے اُردو کے مشاہیر نعت گوشعرا کے کلام کا نمائندہ انتخاب)

مصنف

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

سابق صدر شعبۂ اُردو بی۔آر۔اے۔بہار یونیورسیٹی

مظفر پور، بہار

نعت ریسرچ سینٹر، انڈیا

(c) جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب : چمنستان نعت

مصنّف و ناشر : پروفیسر فاروق احمد صدیقی

سالِ اشاعت : ۲۰۲۱ء

تعدادِ اشاعت : پانچ سو (۵۰۰)

صفحات : ۱۳۶

قیمت : ۲۰۰/روپے

سرِ ورق : ضیاء المصطفیٰ وثناء المصطفیٰ

کمپوزنگ : امام الدین امامؔ، مظفر پور 43783 62061 91+

CHAMANISTAN-E-NA'AT

(A representative Collection of paeans Composed in praise of the prophet (Pbh) by the famous panergic Urdu poets of 20th Century)

By

Prof. (Dr.) Farooque Ahmad Siddiqui

Year of Publication : 2021

Price : Rs. 200

تقسیم کار:

نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا

Naat Research Center - India
Mohalla Banjaria West, Khalilabad
Distt. Sant Kabeer Nagar (U.P) India-272175
9415875761,7985754611
www.naatresearchcenterindia.com
drsiraj123@gmail.com/anees11435@gmail.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	نعت کا گل صد رنگ ’’ چمنستان نعت‘‘	۸
۲	ابتدائیہ	۱۱
۳	سخن ہائے گفتنی	۳۱
۴	حضرت محسؔن کاکوروی	۳۹
۵	امیؔر مینائی	۴۲
۶	حضرت آسؔی غازی پوری	۴۴
۷	مولانا الطاف حسین حالؔی	۴۶
۸	حضرت امام احمد رضؔا بریلوی علیہ الرحمہ	۵۰
۹	علامہ حسن رضا خاں حسؔن بریلوی	۵۳
۰۱	حسرؔت موہانی	۵۶
۱۱	علامہ اقباؔل	۵۸
۱۲	سیمابؔ اکبر آبادی	۶۰
۱۳	اکبؔر وارثی میرٹھی	۶۲
۱۴	مولانا اقباؔل سہیل	۶۴
۱۵	مولانا مصطفٰے رضا خاں نورؔی بریلوی	۶۷
۱۶	حفیؔظ جالندھری	۶۹

۱۷	مولانا ماہرؔ القادری	۷۱
۱۸	زائرِ حرم حمیدؔ صدیقی لکھنوی	۷۴
۱۹	پروفیسر اخترؔ قادری	۷۶
۲۰	جگن ناتھ آزادؔ	۷۸
۲۱	علامہ ارشدؔ القادری	۸۱
۲۲	بیکلؔ بلرامپوری	۸۳
۲۳	رازؔ الہ آبادی	۸۵
۲۴	علقمہ شبلیؔ	۸۷
۲۵	حفیظؔ بنارسی	۸۹
۲۶	اجملؔ سلطان پوری	۹۲
۲۷	علامہ شبنمؔ کمالی	۹۴
۲۸	پروفیسر نجمؔ الہدیٰ	۹۶
۲۹	ظہیرؔ غازی پوری	۹۸
۳۰	سید وحیدؔ اشرف کچھوچھوی	۱۰۰
۳۱	پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ	۱۰۲
۳۲	پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ	۱۰۴
۳۳	علیم صباؔ نویدی	۱۰۶
۳۴	متینؔ عمادی	۱۰۸
۳۵	پروفیسر فاروقؔ احمد صدیقی	۱۱۰

۳۶	ڈاکٹر راہیؔ فدائی	۱۱۲
۳۷	مفتی شمیمؔ القادری	۱۱۴
۳۸	ڈاکٹر محمد علی اثرؔ	۱۱۶
۳۹	متینؔ اچل پوری	۱۱۹
۴۰	مولانا اشتیاق عالم ضیاءؔ بھاگلپوری	۱۲۲
۴۱	اسدؔ رضوی	۱۲۵
۴۲	ظفرؔ صدیقی	۱۲۷
۴۳	سید محمد اشرفؔ مارہروی	۱۲۹
۴۴	سیّد صبیح الدین صبیحؔ رحمانی	۱۳۲
۴۵	ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ	۱۳۴

نعت کا گل صد رنگ ''چمنستان نعت''

نعت کا ذوق وشوق رکھنے والوں کے لئے نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا اس بات کے لئے روز و شب کوشاں رہتا ہے کہ وہ اس فن پارے سے محبت کرنے والوں کو ایسی علمی و ادبی تخلیق، تحقیق وتنقید کا سرشار اور دل گیر تحفہ دے جوان کے دل کی پژمردہ کلی کو کھلا کر ان کے اندر موج زن عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لو کو تیز تر کر سکے۔ یہ امر مسلمات سے ہے کہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ سرمایۂ حیات ہے جسے حاصل زندگی کا شرف حاصل ہے ۔لہٰذا ایسی صورت میں جبکہ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی حاصل زندگی ہے، ہماری عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو ہر آن اور ہر لحظہ فزوں تر ہونی چاہئے، بعید نہیں کہ ہم کب اور کس لمحہ سراغ زندگی کی اس متاع عزیز کو پانے میں کامیاب ہو جائیں۔ مستزاد جس وقت ہم اس سرمائیے کی جستجو اور ٹوہ میں ہوتے ہیں اس وقت تاجدارِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ التفات اور توجہات ہم پر خصوصی طور سے ہوتی ہیں۔

جیسا کہ آپ سبھی لوگ واقف ہیں کہ نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کے اغراض و مقاصد میں حمد و نعت کو دانشوروں کی فکر و فن کا موضوع بننے کے ساتھ ساتھ دانشگاہوں اور یونیورسٹیز کے تعلیمی نصاب میں شامل کئے جانے کی پیہم کوشش کرنا بھی ہے۔اگر یہ اصناف ادب دانشگاہوں اور یونیورسٹیز کے Syllabus میں شامل کر لی جاتی ہیں تو بر وقت کتابوں کی بات آتی ہے کہ اس موضوع پر اب تک ایسی کوئی کتاب منظر عام پر نہیں آسکی ہے جو طلبہ کی حاجت رَوائی کر سکے یا ممد و معاوین ہو۔

ہمیں اس بات کا احساس روز اوّل ہی سے تھا اور ہم اس کی بھرپائی کے لئے فکر مند

بھی تھے، مزید ہیں۔ ابھی ہم اسی شش و پنج کی منزل سے گزر رہی رہے تھے کہ ایک روز دوران گفتگو محترم جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب نے فرمایا کہ میں نے بیسویں صدی کے نعت گو شعراء کا ایک انتخاب ''چمنستان نعت'' کے نام سے تیار کیا ہے، میری دلی خواہش ہے کہ اس کی اشاعت نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کے پلیٹ فارم سے ہو۔ ہم نے ان کی زبان سے یہ بات سُن کر اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد و بے کراں شکریہ ادا کیا اور ان سے عرض کیا کہ ہم آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے، خیر مقدم کرتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی یہ علمی و ادبی کاوش ضرور بہ ضرور نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا سے شاعت پذیر ہوگی، جو شرمندۂ تعبیر کی صورت میں آپ کے پیش نظر ہے۔

محترم جناب پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب ہندوستان کی مشہور و معروف دانش گاہ بی۔ آر۔ اے بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار سے صدر شعبۂ اردو کے عہدے سے ریٹائرڈ ہیں جن کا تحقیق وتنقید اور اردو زبان وادب کے پڑھنے پڑھانے کا ایک معتبر تجربہ ہے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی نعت سے دلچسپی اور شغف کا منھ بولتا ثبوت ان کا ہندوستان میں مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری پر سب سے پہلے تحقیق کا در کھولنا اور ''حضرت رضاؔ بریلوی بحیثیت شاعر نعت'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ مکمل کروا کر مقالہ نگار حضرت مولانا جوہر میاں شفیع آبادی کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دلانا تھا۔

ہندوستان کے اُفق ادب پر پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب بحیثیت ایک کہنہ مشق ادیب، شاعر اور ناقد کے اوج ثریا پر فائز ہیں جن کی علمی و ادبی تخلیقات کی ضوا ردو دنیا کو ایک زمانے سے مستنیر کر رہی ہیں۔ انہوں نے بیسویں صدی کے نعت گو شعراء کا انتخاب ''چمنستان نعت'' پیش کر کے ہندوستان کی دانشگاہوں اور یونیورسٹیز میں فائز اساتذہ اور پروفیسر حضرات کو یہ پیغام دیا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ بھی اپنی فکر کے جمود کو توڑیں اور اس طرف مائل ہو کر اس مقدس اور معتبر صنف ادب کے فروغ و ارتقاء میں ہمہ تن

مصروف و مشغول ہو جائیں۔ نیز اس علمی و ادبی تخلیق کو دانشگاہوں اور یونیورسٹیز کے Syllabus یا معاون کتب میں شامل فرما کر طلبہ کو اس کے مطالعے کی ترغیب دلایں جس سے کہ فروغ نعت کا کارواں دو گام آگے بڑھ سکے۔

رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل
حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں

علامہ اقبالؔ

مجھے امید ہے کہ میرے اس نعرۂ مستانہ پر اہل خرد لبیک ضرور کہیں گے اور حمد و نعت کو حیات سوز جگر کا حصہ بنا کر اپنی اپنی دانشگاہوں اور یونیورسٹیز میں شامل نصاب کئے جانے کے لئے پیش رفت فرمائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فیروز احمد سیفی

۲۱/جنوری ۲۰۲۱ء

ڈائریکٹر/فاؤنڈر نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا

(نیویارک)

ابتدائیہ

نعت گوئی ایک فن ہے اور مشکل فن ہے، یہ پل صراط طے کرنے سے بھی دشوار تر اور چاول پر قل ھو اللہ کا نقش لکھنے کے مترادف ہے، اس فن کی نزاکتوں سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے بڑے محتاط فکر و تخیل، ہوشیاری اور ادب شناسی کی ضرورت پڑتی ہے، کسی خیال کو فنی پیکر عطا کرنے سے پہلے اس کو سو بار احتیاط کی چھلنی میں چھان لینا پڑتا ہے تب وہ کہیں جا کر معرض اظہار میں آتا ہے، علمائے نقد و نظر اور صاحبان علم و فن کا اتفاق ہے کہ نعت گوئی کی راہ شاعری کی سخت ترین راہ ہے۔ اور تمام اصناف سخن سے مشکل ہے۔ اگر حد سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت کی تجلی خاکستر کر دے گی اور کمی کرتا ہے تو تنقیص شان رسالت کی وجہ سے حبط ایمان کا خطرہ ہے۔ اس لئے خوش نصیب ہیں وہ مداحان رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے کامیابی اور سرخروئی کے ساتھ اس وادیٔ پر خار کو طے کیا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت و محبت کا شعری گلدستہ پیش کیا۔

نعت گوئی اور نعت خوانی ایسا مقدس وظیفہ حیات ہے جس کی عظمت اور مقبولیت کی سند خود بارگاہ ممدوح عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منبر پر کھڑے ہو کر نعت پاک پیش کرتے اور سرکار دو عالم ان کو ''اللّٰھم ایدہ بروح القدس'' کا مژدہ جاں فزا سنا کر دارین کی سعادتوں سے نوازا کرتے۔ حضرت کعب بن زہیر جو حالت کفر میں اپنی شاعرانہ بے احتیاطیوں اور بے ادبیوں کے جرم میں واجب القتل قرار دیے جا چکے تھے، جب بارگاہِ رسالت میں معذرت خواہ ہو کر حاضر ہوئے اور اپنا مشہور تاریخی قصیدہ ''بانت سعاد'' سنایا تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر اپنی ردائے مبارک ان کو عطا کر دی۔ عہد ما بعد میں صاحب قصیدہ بردہ حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے بعارضہ فالج ایک نعتیہ قصیدہ تحریر فرمایا تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست کرم ان کے اعضاء مفلوجہ پر پھیرا وہ اسی وقت بھلے چنگے ہو گئے اور چادر رحمت سے نوازے گئے۔ الغرض ؎

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا

نعت محبوب کبریا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش کے شعری اظہار کا نام ہے۔ اس کا موضوع متعین ہونے کے باوجود یہ اپنے اندر وسعت کونین رکھتا ہے۔ اس میں آپ کی ولادت طیبہ کی بشارت، وقت ولادت کے آثار برکات، انوار وتجلیات، شمائل وخصائل، اخلاق وعادات، جود وسخا، فضل عطا، عفو وکرم، صداقت وامانت، عظمت و جلالت، جنگ وصلح، رجعت شمس وشق قمر، واقعہ معراج، تفضیل بین الانبیا، ختم نبوت، خاندانی شرافت ونسلی امتیاز، مزار اقدس کی تقدیس، گنبدِ خضرا کے پر کشش مناظر، بہار مدینہ، علم غیب، خداداد اختیارات وتصرفات، آپ کا سبب تخلیق کائنات ہونا، شفاعت کبریٰ اور حیات النبی وغیرہ کا پر کیف بیان ہوتا ہے۔ اس ایمان وعقیدت کے ساتھ کہ ؎

ثانی ترا کونین کے کشور میں نہیں ہے
بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے
(اکبر وارثی)

ایک اور عاشق رسول نے کیا خوب کہا ہے ؎

لکھوں کیا وصف شاہ انس و جاں سے
زباں، اللہ کی لاؤں کہاں سے

یہ تو طے ہے کہ نعت گوئی کی ابتدا عربی زبان میں ہوئی اور وہاں سے یہ نورانی سلسلہ چل پڑا جو دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں منتقل ہو کر مفتخر ہوا۔ یہاں ان سب کا اِدراک و احاطہ مقصود نہیں۔اس لئے براہِ راست گفتگو عربی زبان وادب کے حوالے سے کی جائے گی۔ یہ مشہور ہے کہ نعت گوئی کا سلسلہ آپ کی بعثتِ پاک سے ہوا۔لیکن نعت گوئی کی تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ اس مقدس وظیفہ کی ابتدا بعثت طیبہ کے کوئی سات سو سال پہلے ہی ہو چکی تھی۔ جب یمن کے بادشاہ تبع حمیری نے ایک شاندار قصیدہ لکھ کر اہلِ مدینہ کے حوالے کیا۔واقعہ کی پوری تفصیل علامہ ابن کثیر کی زبانی ملاحظہ فرمائیں :

''حضور سے تقریباً سات سو سال پہلے اس کا (تبع کا) انتقال ہوا ہے، مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان دونوں موسوی عالموں نے جو مدینہ کے تھے انہوں نے جب تبع بادشاہ کو یقین دلایا کہ یہ شہر نبی آخر الزماں حضرت محمد کا (کذا) ہجرت گاہ ہے تو اس نے ایک قصیدہ کہا تھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے گیا تھا جو ان کے پاس ہی رہا اور بطور میراث کے ایک دوسرے کے ہاتھ لگتا رہا اور اس کی روایت سند کے ساتھ برابر چلی آتی رہی، یہاں تک کہ حضور کی ہجرت کے وقت اس کے محافظ حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور اتفاق سے بلکہ بحکم خدا آں حضرت کا نزول جلال بھی یہیں ہوا تھا۔اس قصیدہ کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

شھدت علی احمد انہ
رسول من اللہ باری النسم
فَلَوُ مُدّ عُمری الی عُمرہٖ
لَکُنتُ وزیراً لہٗ و ابن عم
و جاھدتُ بالسّیف اعائہ
و فَرّجت عَن صَدرہ کُلّ غم

ترجمہ : یعنی میری تہہ دل سے گواہی ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و سلم اس خدا کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے۔

اگر میں آپ کے زمانہ تک زندہ رہا تو خدا کی قسم آپ کا ساتھی اور معاون بن کر رہوں گا۔ اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس پھٹکنے نہ دوں گا۔''

(بحوالہ تفسیر ابن کثیر (اردو) پارہ: ۲۵، ص ۵۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری (بعثت نبوی) کے بعد سب سے پہلی نعت کس خوش نصیب نے کہی یہ محققین کے درمیان متفق علیہ نہیں ہے۔ اور تفصیل میں جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ میری محدود معلومات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم خواجہ ابو طالب شاید پہلے نعت گو ہوں، ان کے ایک شہرہ آفاق شعر کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ جو اس طرح ہے ؎

وَ أَ بْيَضِ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

ترجمہ : وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا، وہ بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست۔

اور اہلِ اسلام میں تو نعت گویوں کا سلسلۂ نجوم نظر آتا ہے۔ یہاں ناموں کی گنتی مقصود نہیں۔ تاہم حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت حسان، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک، حضرت ضرار بن اللذور، حضرت زید اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ کی نشاندہی ضروری ہے۔ ان بزرگوں کے علاوہ بھی ہر قرن و ہر صدی میں سینکڑوں کی تعداد میں عربی زبان میں نعت گویوں کی طویل فہرست نظر آتی ہے۔ اور آج بھی یہ نورانی سلسلہ جاری ہے۔

عربی کے بعد فارسی زبان نعتیہ شاعری کی امین وعلم بردار بنی۔اور فروغ نعت کے تعلق سے فارسی کے بلند پایہ شاعروں نے بھی اخلاص وعقیدت کے ساتھ اپنے کارنامے پیش کیے ان پر جس قدر بھی اظہار مسرت کیا جائے وہ کم ہے۔حضرت رومؔی، سعدؔی، جامؔی، قدسؔی، امیر خسرؔو اور مرزا غالبؔ کے فارسی کلام آج بھی اہلِ دل کی محفلوں اور خانقاہوں میں ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

پھر یہ صنف لطیف فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی۔ جب ہندوستان میں ایرانیوں کی آمد ہوئی اور دیگر اصناف سخن کی طرح نعتیہ شاعری کا بھی غلغلہ بلند ہوا تو مشتاقان نعت نے اس کا والہانہ استقبال کیا اس کی پذیرائی ہونے لگی۔اردو کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے بطور تبرک ہی سہی، دو چار اشعار نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں کہے ہوں، لیکن وہ خوش نصیب شعرا جنھوں نے نعت گوئی میں اپنی مکمل شناخت بنائی ان میں حضرت امیؔر مینائی، محسؔن کاکوروی، امام احمد رضؔا بریلوی، علامہ حسؔن بریلوی، علامہ ضیاء القادری بدایونی، حمیؔد صدیقی لکھنوی، حفیؔظ جالندھری، ماہؔر القادری، بیکلؔ اتساہی، علامہ شبنؔم کمالی، پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ اور حافظ عبدالمنان طرزؔی کے نام بے حد اہم ہیں۔

نعتیہ شاعری میں زبان وبیان کی صحت وپاکیزگی کی بھی کلیدی اہمیت ہے، اس لیے کہ ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا
(عزؔت بخاری)

اس لیے اس کا لحاظ بے حد ضروری ہے جن اصحاب علم کی نظر آیات پاک ''لاتقولوا راعنا و قُولوا انظرنا'' (البقرہ۔۱۰۴) اور ''لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی'' (الحجرات۔۲) کی شان نزول پر ہے وہ بڑی آسانی سے سمجھ جاتے ہیں کہ نعت میں زبان وبیان کے تقدس کی کتنی اہمیت ہے، اس

لیے ممکنہ حد تک نعت کی زبان شگفتہ اور شائستہ ہونی چاہئے، بلکہ کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان ہوتو کیا کہنا ہے۔ اور طرز بیان میں بھی نفاست وحلاوت اور طہارت و پاکیزگی ہوتو اس کو نور علی نور کہیں گے۔ اگر ان شرطوں کی پابندی نہیں ہوتی ہے تو نعت کہنا کیا ضروری ہے۔ یعنی نہ زبان و بیان میں ادنیٰ چوک ہو اور نہ فکر و مواد میں افراط وتفریط۔ ورنہ ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ افراط وتفریط کس طرح خطرہ ایمان بن جاتے ہیں، اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔

توحید کے پلے میں، وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد سے

(افراط۔۔۔گمنام)

مجھے رب نے دی ہے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ ہوں اس کا اور ایلچی بھی

(تفریط۔۔حالؔی)

پہلے شعر کے کفر صریح ہونے میں بڑے سے بڑے اہل فتویٰ کو تامل نہیں ہوسکتا اور دوسرے شعر کے منصب رسالت کے منافی ہونے میں کسی اہل علم و دانش کو تذبذب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پروفیسر وحید اشرف کچھوچھوی رقم طراز ہیں :

''نبی اور ایلچی ایک دوسرے کے مترادف نہیں اور یہاں نبی کو ایلچی کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب کہ یہاں قافیہ کی بھی تنگی نہ تھی۔ اور یہاں مصرع میں بھی بڑی آسانی سے بجائے ایلچی کے نبی کا لفظ لایا جاسکتا ہے۔''

(ماہنامہ المیزان، امام احمد رضا نمبر، ص ۴۵۸)

جمال پانی پتی لکھتے ہیں :

''انہوں نے (مولانا حالؔی) نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال بشریت اور عبدیت کاملہ کو ہم جیسے انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق تو رہا درکنار، خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔''

(نعت رنگ کراچی، شمارہ ٦، ص: ٢٧)

یہ تو سامنے کہ بات ہے کہ جس لفظ (ایلچی) کا انتساب ہم خود اپنی ذات کے لئے اور اپنے آباواجداد کے لئے روانہیں رکھ سکتے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا؟ ہر صاحب ایمان خود فیصلہ کرسکتا ہے۔ پھر یہ کہ عقائد اور ایمانیات کے باب میں نظریہ تکثیر بھی کام نہیں آسکتا۔ کسی شاعر نے ایک لاکھ اشعار کہے ہوں، ان میں ننانوے ہزار نوسوننانوے اشعار بالکل بے غبار ہوں، صرف ایک شعر میں شاعر نے لفظی و معنوی سطح پر ٹھوکر کھائی ہو تو سب پر پانی پھر جائے گا، یہاں یہ دلیل کام نہیں آسکتی کہ شاعر نے اس کے علاوہ تمام اشعار نہایت ایمان افروز اور روح پرور کہے ہیں۔ آیت پاک ''لاتقولوا راعنا وقولو اانظرنا ''اور'' لا ترفعو ااصواتکم فوق صوت النبی '' کا تو یہی اعلان وانتباہ ہے۔ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جو لفظ بھی بولا یا لکھا جائے وہ عظمت و تقدیس کا مظہر ہو، اس میں شان رسالت سے فروتر ہونے کا امکان بعید بھی نظر نہ آئے ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔

تفہیم نعت بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ کبھی کبھی شعر کی غلط فہمی، غلط نتائج پر پہنچا دیتی ہے۔ یعنی شعر تو قرآن واحادیث کی روشنی میں بالکل ٹھونکا بجایا ہوتا ہے لیکن قاری اور ناقد کا علم وفہم ہی محدود و ناقص ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شعر کی غلط تاویل وتشریح کر کے شاعر کو طنز و طعن کا نشانہ بنادیتا ہے۔ اس سلسلے میں جناب ظہیر غازی پوری نے پتے کی بات کہی ہے :

''مگر نعتیہ شعروادب کا مطالعہ کرتے وقت اکثر جگہوں پر نظر رکی ہے۔ بعض افکار کو ذہن قبول نہیں کرتا، لیکن کہیں کہیں اپنی کم علمی یا بے بساطی کا بھی

گمان گزرتا ہے۔''

(گلبن، احمد آباد نعت نمبر، ص ۴۹)

اس اقتباس کا آخری ٹکڑا بڑا اہم اور بڑے دیانت دارانہ احساس پر مبنی ہے۔ واقعی بعض لوگ اپنے مطالعہ کی محدودیت و نارسائی کا اعتراف کرنے کے بجائے، جوش انتقاد میں حدوں سے گزر جاتے ہیں۔ اس مقام پر جناب شمس بریلوی کا دلچسپ تجربہ ملاحظہ فرمائیں :

''عوام کے ذہن جب کسی ایسی عالمانہ تلمیح کی تصریح وتشریح سے قاصر رہتے ہیں تو اپنے علمی افلاس کو چھپانے کے لئے کہہ اٹھتے ہیں کہ جناب شعر بے معنیٰ ہے۔ خود میرے ساتھ ایک ایسا ہی معاملہ ایک تلمیح کے سلسلے میں گزرا ہے کہ میں نے شعر کہا اور ایک مذہبی تلمیح کا استعمال کیا۔ شعر یہ تھا ؂

ہم زمانے میں کریں اے شمس کس پر اعتماد
اِک عصا نے فاش سب راز سلیماں کر دیا

اس تلمیح کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا سے تھی جس پر آپ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور جس روز ہیکل سلیمانی جنات نے مکمل کی اس روز یہ عصا کو ایک عرصے سے دیمک لگ گئی تھی، ٹوٹ کر گر پڑا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسدِ خاکی زمین پر آ گیا۔ اس وقت تمام جنات کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام واصل بہ حق ہو چکے ہیں۔ میرے شعر کو جناب سیماب اکبر آبادی نے مہمل قرار دیا کہ ان کو صرف عصائے موسیٰ علیہ السلام یاد تھا، عصائے سلیمان علیہ السلام سے وہ ناواقف تھے۔''

(کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ، ص ۱۸۳)

اس سلسلے میں عدم واقفیت کی ایک اور عبرتناک مثال پیش کی جا رہی ہے :

''اردو کے مشہور و بلند پایہ نقاد کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب ''اقبال ایک مطالعہ'' میں اقبال کی غزلوں کا محاسبہ کرتے ہوئے ایک بے حد معروف و مقبول شعر ؎

نگاہ عشق و مستی میں ، وہی اول وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں ، وہی یٰسین ، وہی طٰہٰ

کو کفر قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

''وہ نگہ عشق و مستی میں یا نگاہ باخبر میں، پیغمبر اسلام کو وہی اول وہی آخر، وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ کہنا درست نہیں۔ جب کہ ھوالاول اخر والظاہر ولباطن خدا کے لئے آیا ہے اور یہ کہ پیغمبر اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ انا بشر مثلکم ......الخ۔''

(اقبال ایک مطالعہ، صفحہ ۲۷۹۔۲۸۰)

قطع نظر اس سے کہ **انا بشر مثلکم**...........پیغمبر اسلام نے نہیں کہا ہے، بلکہ یہ ارشاد ربانی ہے۔ جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔ حضور آیہ رحمت کو نگاہ عشق و مستی ہی نہیں، نگاہ باخبر میں کیوں اول و آخر کہا جاتا ہے، اس کی دلیلیں ملاحظہ فرمائیں :

''آیت پاک ''**ھوالاوّل والاخر** ....**وھو بکل شئی علیم** '' میں تو صفات خداوندی کا بیان ہے ہی۔ لیکن اِن سارے الفاظ کا انطباق خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی جائز و مستحسن ہے اور اس میں حضور کی نعت بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں توجہ طلب ہیں :

۱۔ آپ اوّل مخلوقات ہیں یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے آپ کی تخلیق ہوئی۔ حدیث پاک ''**اوّل ماخلق اللّٰہ نوری** '' اس پر شاہد ہے

اور اللہ تعالیٰ اول موجودات کے لحاظ سے ہے یعنی کچھ نہیں تھا تو بھی وہ تھا۔

(مصنف عبدالرزاق)

۲۔ ....آپ کی نبوت سب پر مقدم ہے۔ حدیث میں آیا ہے ''کنت نبیا و آدم بین الماء والطّین ''(یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔)

۳۔ روز میثاق ''الست بربکم '' کے جواب میں سب سے پہلے آپ نے بلیٰ کہا۔ (الاعراف ۔۱۷۲)

۴۔ سب سے پہلے آپ خدا پر ایمان لائے۔

۵۔ روز قیامت جب زمین شق ہوگی اور لوگ اس سے نکلیں گے تو سب سے پہلے آپ جلوہ نما ہوں گے۔

(مسلم، کتاب الفضائل)

۶۔ روز قیامت سب سے پہلے آپ ہی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ (بخاری، کتاب الرقاق، ۶۵۶۵)

۷۔ باب شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لئے کھلے گا۔

۸۔ سب سے پہلے آپ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔

(مسلم، وغیرہ)

اتنے واضح ارشادات وحقائق کی روشنی میں علامہ اقبالؔ کی نگاہ باخبر نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اول ہونے کے صفت استعمال کی ہے۔

اسی طرح آپ کی صفت آخر کے لئے یہ نکات پیش نظر رہیں :

''۱۔ تخلیق میں اوّل اور دیگر محاسن میں سب پر فائق ہونے کے باوجود آپ کی بعثت ورسالت آخر میں ہوئی۔ ''ولٰکن رسول اللہ و

خاتم النبین'' کی آیت پاک اس پر ناطق ہے۔

(الاحزاب۔۴۰)

۲۔ کتابوں میں آپ کی کتاب قرآن آخری اور ادیان میں آپ کا دین آخری ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ نحن آخرون السابقون (یعنی تمام سبقتوں کے باوجود ہم آخر ہیں۔)

اس سلسلے میں پروفیسر ابوالخیر کشفی (کراچی) نے بھی بڑی صائب رائے دی ہے :

''اکثر ذہنوں میں اوّل و آخر سے خلش ہوتی ہے۔ لیکن الجھن ہماری پیدا کردہ ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خلق میں اول اور رسالت میں آخر ہیں۔''

(نعت رنگ، کراچی، شمارہ ۹، ص ۳۸)

کلیم صاحب کی قابلیت مسلم، وہ اردو اور انگریزی جتنی بھی جانتے ہوں۔ لیکن قرآن و احادیث کے تعلق سے ان کی معلومات محض سطحی اور سرسری کہی جائے گی۔ اگر انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ جمہور اہلِ اسلام کی تفسیروں کے حوالے سے کیا ہوتا تو ایسا لچر اور کمزور اعتراض نہیں کرتے۔

اردو کی نعتیہ شاعری پر بعض حلقوں سے یہ اعتراض بھی وارد کیا جاتا ہے کہ اس میں تو، تیرا، تم، تمہارا، تجھ کو جیسے الفاظ کا استعمال شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں ہونا چاہئے۔ یہ آپ علیہ السلام کے مطلوبہ ادب و احترام کے منافی ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ شاعری میں ان الفاظ کے استعمال کو ہمارے تمام علمائے کرام، اخیار امت اور شعرائے عظام نے روا رکھا ہے۔ کسی نے بھی خلاف ادب نہیں سمجھا کیوں کہ نعتیہ اشعار میں تو اور تیرا جیسے ضمائر خود زبان حال سے یہ شہادت دینے لگتے ہیں کہ وہ ممدوح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا اعزاز حاصل

کرنے کے لئے آئے ہیں۔ پھر یہ کہ قرائن بھی اس سلسلے میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ ادبیات و اسلامیات کے ممتاز اسکالر پروفیسر سید وحید اشرف نے کیا پتے کی بات کہی ہے :

''اردو کے واحد حاضر تو ہے، اس کا استعمال تحقیر کے لئے بھی آتا ہے اور تعظیم کے لئے۔ لیکن محل استعمال سے یہ باقی نہیں رہتا ہے کہ لفظ تحقیر کے لئے یا تعظیم کے لئے۔ یعنی موقع استعمال سے معنیٰ قطع طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا استعمال اس طرح ہو کہ دونوں معنیٰ مراد لئے جاسکیں تو اس کا استعمال ہرگز جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر اللہ و رسول کے لئے ہے تو احتمال کفر بھی ہے۔''

(ماہنامہ ضیائے وجیہ، شمارہ، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص۵۲)

اب اس تناظر میں یہ شعر ملاحظہ ہو۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں، مانگنے والا تیرا
(مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

یہ ان کا شعر ہے جن کی زندگی کا سب سے اہم مشن اور مقصد اعظم ہی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ تھا۔ اور ان کے عشق رسول کی وہ لوگ بھی گواہی دیتے ہیں، جن کو ان سے نظریاتی اختلافات تھے۔ کیا ان کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تو اور تیرا کی زہرناکیوں سے واقف نہیں تھے۔ ایسا کوئی انتہائی بد باطن اور کور مغز ہی سوچ سکتا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں کہ میری مراد اردو میں نعت کے سب سے بڑے شاعر اور امام عشق و محبت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ہے، جن کا سلام ع

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

آفاق کے گوشے گوشے میں نغمہ جبرئیل بن کر سماعتوں کو محظوظ و متاثر کر رہا ہے۔

اور بعض ثقات کے مطابق بارگاہِ رسالت سے جس کو مقبولیت کی سند حاصل ہے۔ بہر کیف موقع کی مناسبت سے اس قبیل کے کچھ مزید اشعار محل استشہاد میں لانا چاہتا ہوں۔ جن سے اندازہ ہوگا کہ مختلف مکتب فکر کے مستند اشخاص نے نعت میں تو، تیرا اور تم جیسے ضمائر کا بے تکلف استعمال کیا ہے۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

مدد کر اے کرم احمدی کے تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک کا قاسم
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مولانا قاسم نانوتوی

لے جائے گا منزل سے بہت دُور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادہ سے سوا ہو

مولانا سلیمان ندوی

تمہارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی ہی نہیں عارض منور پر
وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

حضرت آسی غازی پوری

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیری محبت ، تیری عترت کی دلا ہے

مولانا حاؔلی

کرم اے شہ عرب وعجم کے کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ جس کو عطا کیا ہے تونے دماغ سِکندری
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حُباب

علامہ اقباؔل

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو

مولانا ظفر علی خاں

پکارتے ہیں تمہیں کو تو یا رسول اللہ
جو مسجدوں میں مؤذن اذان دیتے ہیں

حضرت امیؔر مینائی

تمہاری یاد مجھ کو حرز جاں معلوم ہوتی ہے
محبت ہی متاع لا مکاں معلوم ہوتی ہے

پروفیسر طلحہ رضوی برؔق

شاہکار ید قدرت ہے جو خلقت تیری
آئینہ دیکھ کے حیرت میں ہے صورت تیری

قسمت حضرت بو بکر و عمر کیا کہنا
جن کو حاصل ہے ہمہ وقت زیارت تیری

فاروق احمد صدیقی

جہاں تک نثر کی بات ہے! تو تو، تیرا، ترے، تم کو، تجھ کو جیسے ضمائر کا استعمال یقیناً ممنوع ہے۔ کس کی ہمت ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ یا ضمائر سے مخاطب کرے۔ بس یہ اصول وضابطہ پیش نظر رہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر ہمارے مقدس اسلاف واکابر کا عمل رہا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

کلمہ اسلام پڑھنے والوں میں ایک طبقہ کا یہ اعتراض ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا گناہ عظیم بلکہ شرک کے مترادف ہے۔ اور نعت میں اکثر شعرا حضور پاک سے استمداد و استعانت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی، ولی کو مستقل بالذات حاجت روا اور مشکل کشا کوئی بھی نہیں مانتا اور سمجھتا ہے۔ معطی حقیقی اول و آخر حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کی ذات والا صفات ہے۔ ملاحظہ ہو امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن المعروف بہ کنزالایمان کا یہ حاشیہ :

''ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ خود بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات وخدام واحباب سب عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیا وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدہ باطلہ ہے، کیونکہ مقربان حق کی امداد، امداد الٰہی ہے، استعانت بالغیر نہیں۔''

(کنزلایمان، ص ۳)

بعینہٖ یہی بات مولانا شبیر احمد عثمانی فاضل دیوبند نے اپنی تفسیر میں کہی ہے، ملاحظہ ہو :

''اس آیت شریفہ (ایاک نستعین) سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندوں کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔''

(بحوالہ ترجمہ قرآن مولانا محمود الحسن دیوبندی، صفحہ:۳، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیس، سعودیہ عربیہ)

گویا امت کے سواد اعظم کا یہی متفقہ عقیدہ مسلک ہے۔ اب اس سے کوئی انحراف وانکار کرے تو اس کے حق میں سلامتی فکر ونظر کی دعا ہی کی جاسکتی ہے، ہدایت دینا مولا کا کام ہے۔ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ راویٔ حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ :

''میں نے پوچھا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، ہاں میں اللہ کا رسول ہوں جسے مصیبت میں پکارو تو مصیبت دور کروں اور اگر پانی نہ برسے اور اسے تم پکارو تو پانی برسائے اور غلہ اگائے اور تم کسی چٹیل علاقے اور بیابان میں سفر کر رہے ہو اور تمہاری اونٹنی ٹھہر جائے اور اسے پکارو تو تمہاری اونٹنی واپس لائے۔''

(ترجمہ مولانا جلیل احسن ندوی، بحوالہ ترغیب وترہیب، بحوالہ : ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

مسئلہ زیر بحث کے تعلق سے علمائے سلف اور اخیار امت کے چند اشعار بھی نقل کرنے کو جی چاہتا ہے تاکہ ہمارے قارئین کرام کو مزید حلاوت ونفاست کا احساس ہو۔ امام اعظم فرماتے ہیں :

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ

جد بجودک و ارضی برضاک

انا طامع بالجود منک لم یکن
لابی حنیفة فی الانام سواک

”ترجمہ: اے مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت والے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مخزن۔ اپنے جودوسخا سے میرے لیے بھی عطا فرمائیے۔ اور اپنی رضا وخوشنودی سے مجھے بھی اپنی رضا عطا کیجئے۔ میں آپ سے جودوسخا کی طمع رکھنے والا ہوں اور آپ کے سوا تمام مخلوق میں ابوحنیفہ کو کوئی نوازنے والا نہیں ہے۔“

(بحوالہ نعت آداب نعت از مولانا کوکب نورانی، ص ۴۸۱)

یا اکرم الخلق مالی من الوذبه
سواک عند حلول الحادث العمم

(حضرت امام بوصیری)

(اے مخلوق میں سب سے زیادہ عزت واکرام والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سوا میرے لئے کوئی نہیں ہے جن سے میں ہر مصیبت کے وقت مدد کی التجا کروں۔)

حاجی امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ۔

شفیع عاصیاں تم ہو، وسیلہ بے کساں تم ہو
تمہیں اب چھوڑ کر جاؤں کہاں میں یارسول اللہ
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے مرے مشکل کشا فریاد ہے

اس سلسلے میں سینکڑوں اشعار پیش کئے جاسکتے ہیں مگر ۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کرے

آخر میں اس مسئلہ کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ محافل میلاد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کس حد تک روا ہے۔ پچھلے صفحات میں یہ نکتہ زیر بحث آچکا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت حسان مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر نعت پاک پیش کیا کرتے۔ یہاں یہ اصول یاد رہے کہ ہر نعت سلام نہیں ہے لیکن ہر سلام نعت بھی ہے تو نعت اگر کھڑے ہو کر وہ بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پڑھی جاسکتی ہے تو سلام بدرجہ اولیٰ کھڑے ہو کر پڑھا جا سکتا ہے۔ مزید اس ضمن میں محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق (۹۵۸ھ.....۱۰۵۴ھ) محدث دہلوی کا یہ ارشاد و اعلان بھی ملاحظہ ہو :

''اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو تیرے دربار کے لائق ہو۔ کیوں کہ میرے تمام اعمال میں فساد نیت و کمی عمل شریک ہے۔ البتہ فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میلاد مبارک کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا اور نہایت عاجزی، خاکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا رہا۔ اے اللہ وہ کون سا محل و مقام ہے۔ جہاں میلاد مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیری خیر و برکت اور کرم و رحمت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بے کار نہ جائے گا، بلکہ لازماً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا۔ اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اس کے ذریعے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔''

(اخبار الاخیار (اردو ترجمہ)، ص ۵۲۴)

سر دست میرا موضوع میلاد و قیام کے جواز و استحسان پر گفتگو کرنا نہیں ہے بلکہ نعت کے تقدس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ضمناً یہ بحث نوک قلم پر آگئی ہے، تاکہ قیام میلاد کے

تعلق سے بعض ذہنوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو جائے تو اچھا ہی ہے۔ اب میں اپنی بات فارسی کے ممتاز شاعر مرزا عبدالقادر بیدلؔ (۱۰۵۴ھ......۱۱۳۳ھ) کے اس شہرہ آفاق سلام پر ختم کرتا ہوں ۔

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوٰۃ اللہ علیک

ضروری وضاحتیں :

اس کتاب میں زیادہ تر ۲۰/ویں صدی کے انہیں شاعروں کا انتخاب عمل میں آیا ہے جن کی بنیادی شناخت ایک نعت گو شاعر کی ہے۔ یا یہ کہ کسی اور صنف سخن میں اختصاص پیدا کرنے کے بعد نعت گوئی کی طرف بھی خصوصی توجہ کی ہو۔ محض تبرکاً یا تبدیل ذائقہ کے طور پر ایک دو نعتیں نہیں کہی ہوں۔ بلکہ تعداد اور مقدار کے لحاظ سے ان کے شعری اثاثہ میں نعتیہ شاعری کی کم از کم ثانوی حیثیت ضرور ہو۔

انتخابِ شاعر یا انتخاب کلام بہت حد تک ذاتی اور ذوقی معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کی پسند و ناپسند کی رعایت مشکل ہے۔ شعرائے کرام کے درمیان فرق مراتب باقی رکھنے کے لئے ان کے سال پیدائش کو اساس بنایا گیا ہے۔ تاکہ کسی کے ساتھ کوئی جانبداری اور ناانصافی نہیں ہو۔

یہ کتاب برادر گرامی پروفیسر ابوذر کمال الدین کی مخلصانہ تحریک و تشویق کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ موصوف اسلامیات کے اسکالر، ایک بلند پایہ مصنف، ممتاز دانشور اور اور محبّ رسول کی حیثیتوں میں روشناس خلق ہیں۔ میں ان کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں اور ایک شاندار مقدمہ بعنوان ''سخن ہائے گفتنی'' لکھنے کے لئے ممنون بھی۔

میری خواہش اور گزارش پر جید عالم دین، فقیہ القس ،حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطرؔ نے بھی اس کتاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ میں ان کا بھی ممنون و مشکور ہوں اس حسن تاثر کے ساتھ کہ ع

عالم میں تجھ سا لاکھ سہی تو مگر کہاں

فاروق احمد صدیقی

سخن ہائے گفتنی

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اللہ اور اس کے ملائکہ نبئ پاک پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور اللہ نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ اپنے نبی پر درود وسلام بھیجو (سورہ الاحزاب : ۵۶)۔اس طرح نبی پاک پر درود وسلام بھیجنا مسلمانوں پر اسی طرح فرض ہے جیسے نماز قائم کرنا یا روزہ رکھنا۔

جو شخص حضور پر ایمان رکھتا ہے مگر سب سے زیادہ حضور سے محبت نہیں رکھتا اس کا ایمان ناقص ہے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کے بال بچے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (رواہ حضرت انس مشکوٰۃ، کتاب الایمان)۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو اللہ نے اپنی کتاب پاک میں مخصوص طور پر یہ مُژدہ سنا دیا کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہٗ، (سورہ توبہ آیت: ۱۰۰) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ اعزاز اور مقام ان کے ایمان، اخلاص، وفاداری، بلاشرط اطاعت اور حضور کی ذات سے بے پناہ محبت کے سبب ملا ہے۔ایک شخص چاہے وقت کا کتنا بڑا ولی اللہ ہو جائے وہ ایک عام صحابی کی خاک پا کے برابر نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ پوری امت کا متفقہ عقیدہ ہے۔صحابہ کرام کی جاں نثاری اور جانسپاری کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سے ہر واقعہ فدائیت اور فنائیت کی مثال ہے۔ایک صحابی کو دشمنوں نے دھوکے سے گرفتار کرلیا اور ان کو پھانسی دینے کی تیاری کرنے لگے۔ چونکہ رات ہو چکی تھی اس لئے ان لوگوں نے دن میں پھانسی دینے کا فیصلہ

کیا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس منظر کو دیکھیں۔ صحابی کے چہرے پر کوئی حزن و ملال مطلق نہیں تھا اور نہ انہیں کوئی افسوس تھا بلکہ لوگوں نے دیکھا کہ رات میں وہ بہت اطمینان سے سوئے۔ جب صبح اُٹھے اور لوگ ان کو پھانسی دینے کے لئے لے جانے لگے تو کسی مسخرے نے پھبتی کسی کیا تمہارے دل میں یہ خیال نہیں آتا ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور تمہاری جگہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پھانسی دی جائے۔ اس صحابی نے پورے جوش ایمانی اور جذبہ محبت میں سرشار ہو کر فرمایا نہیں مجھے دس زندگیاں نصیب ہوں تو میں دسوں زندگی حضور پر نثار کردوں گا۔ میں یہ گوارہ نہیں کرسکتا کہ آپ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

جنگ اُحد میں ایک چوک کی وجہ سے جیتی بازی ہاتھ سے نکل گئی اور مسلمانوں کو شدید ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ستر صحابہ شہید ہو گئے اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید چوٹ آئی۔ مدینے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضور شہید کر دیئے گئے۔ ایک خاتون دیوانہ وار اپنے گھر سے نکلیں، کسی نے خبر دی ان کے شوہر شہید ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا حضور کیسے ہیں؟ آگے بڑھیں تو کسی نے خبر دی ان کے بھائی شہید ہو گئے پھر انہوں نے پوچھا حضور کیسے ہیں؟ پھر آگے بڑھین تو اندوہناک خبر ملی کے ان کا بیٹا شہید ہو گیا۔ پھر انہوں نے پوچھا حضور کیسے ہیں؟ یہاں تک کے وہ میدان جنگ میں پہنچ گئیں اور جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو کہا جب آپ ہیں تو مجھے اپنے شوہر، بھائی اور بیٹے کے کھونے کا کوئی غم نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتایئے بھلا اللہ ان سے راضی نہ ہوگا تو کس سے راضی ہوگا۔ یہی اس حدیث کا اجمالی مفہوم ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک حضور تم کو اپنی ذات اور اپنے والدین اور بال بچوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔ صحابہ کا یہی شرف و امتیاز ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ اسی لئے ان کا درجہ امت میں سب سے بلند ہے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس طرح کے ہزاروں واقعات ملیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ساتھیوں نے

کتنی عظیم قربانیاں دے کر شجر اسلام کو سدا بہار درخت میں تبدیل کر دیا ہے۔ جس پر کبھی خزاں کا موسم نہیں آتا۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
(اقبالؔ)

یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ پر ایمان لائے۔ اس دور میں ایسے بھی بد بخت تھے جنہوں نے آپ کو دیکھا پھر بھی آپ پر ایمان نہیں لائے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ بالکل مشیت خداوندی ہے کہ کس کو ایمان کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور کون محروم و نامراد رہتا ہے۔ حضور کی ایک حدیث ہے جس کا مفہوم ہے میری خواہش ہوتی ہے کہ میں اپنے ان بھائیوں سے ملتا جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا پھر بھی مجھ پر ایمان لائے اور آگے آپ نے فرمایا جنہوں نے مجھے دیکھا اور ایمان لائے ان پر ایک بار سلام اور جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان ئے ان پر سات بار سلام۔

ہم لوگ ان خوش قسمت لوگوں میں ہیں جن کو مشیت خداوندی نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا فرمایا اور ہمیں ایمان کی دولت پیدائشی طور پر نصیب ہوئی ہے۔ ہم اپنی قسمت پر جتنا نازاں ہوں وہ کم ہے۔

میرے نزدیک محبت رسول کے دو تقاضے ہیں ایک آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت کا اتباع اور دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بے پناہ محبت۔ ان دونوں کو ملا کر دین بنتا ہے۔ اطاعت بنا محبت نہیں ہوسکتی ہے اور بغیر محبت کے اس میں حسن وفدائیت پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے ہر وقت اپنے دلوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان کو اور اپنے دل کو ہر وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے تر اور منور رکھنا چاہئے۔ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے ۔

بمصطفی بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است
(اقبالؔ)

ایک آدمی لغت ہائے حجازی کا قارون ہوسکتا ہے مگراس کے دل میں محبت رسول نہیں ہے تو نہ اس کا علم معتبر ہے نہ ایمان معتبر ہوسکتا ہے۔ عہد نبوی میں ایسے بہت سے بد بخت تھے جنہوں نے آپ پر ایمان نہیں لایا اور آپ سے لڑتے رہتے تھے۔ ان میں کچھ لوگ تھے جنہوں نے افترا پردازی، دشنام طرازی، ہجو اور سوقیانہ باتیں بھی آپ کے بارے میں کیں اور آپ کی ذات پر کیچڑ اچھالا۔ عرب کے لوگ شعر و شاعر کا گہرا ذوق رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے اپنی یاوہ گوئی کے لئے اسی صنف کا سہارا لیا۔ اس کے مقابلے کے لئے صحابہ کرام کی ایک پوری فوج کھڑی ہوگئی اور اس لہوالحدیث کا مسکت لیکن مثبت جواب دیا اور اس طرح نعت ومنقبت کی پاکیزہ صنف شاعری کا آغاز ہوا۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں وہ لوگ ان کلاموں سے براہِ راست رجوع کر سکتے ہیں اور لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ عربی سے یہ سلسلہ فارسی زبان میں آیا اور فارسی میں نعت پاک کا زبردست ذخیرہ موجود ہے۔ صوفیا کرام نے نعت پاک کو عوام تک پہنچانے میں بیش بہا خدمات انجام دیں ہیں۔ اس معاملے میں خانقاہوں کو امتیاز حاصل ہے۔ آج عوام میں خانقاہوں اور صوفیا سے جو عقیدت پائی جاتی ہے اس کا ڈانڈا محبت رسول سے ملتا ہے۔

فارسی سے منتقل ہو کر نعت پاک کا یہ فن اردو میں آیا۔ اُردو شعراء نے اس فن کو اوج کمال تک پہنچایا۔ بہت سے شعراء نے اسی کو اپنا وظیفۂ حیات بنالیا۔ آج اردو میں شاید ہی کوئی شاعر ہوگا جس نے نعت نہ کہی ہو۔ تمام صاحب دیوان شاعر اپنے مجموعۂ کلام کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے کرتے ہیں پھر نعت پاک لکھتے ہیں۔ اس طرح یہ پاکیزہ سلسلہ اردو کلچر کا ایسا لازمہ بن گیا ہے کہ اردو کے بہت سے غیر مسلم شاعر بھی اپنی شاعری میں حمد باری تعالیٰ اور نعت پاک لکھنا اپنے لئے سعادت مانتے ہیں۔

نعت پاک ایک نازک فن ہے۔اس فن کا حق ادا کرنے کے لئے پہلے تو ایک شخص کو قرآن وحدیث کا گہرا علم ہونا چاہئے دوسرے زبان ومحاورات پر پوری دسترس ہونی چاہئے ،تیسرے حدود قیود کی سمجھ ہونی چاہئے اور چوتھا اس کے دل میں واقعی رسول خدا سے گہری محبت اور عقیدت ہونی چاہئے۔اگر یہ چیزیں ایک شاعر میں موجود ہیں تو پھر وہ اچھا نعت گو شاعر ہوسکتا ہے۔جس کا کلام زندہٗ اور تابندہ رہے گا اور صدیوں تک اس کی گونج سنائی دے گی۔

اس وقت ہم لوگ اکیسویں صدی میں ہیں ۔ یہ صدی کئی معنوں میں پچھلی صدیوں سے بہتر مگر اہل اسلام کے لئے یہ بہت ہی چیلینجنگ صدی ہے کیونکہ پوری دنیا میں بالعموم اور اپنے وطن عزیز ہندوستان میں بالخصوص اسلاموفوبیا یعنی اسلام سے نفرت کا زہر بویا جا رہا ہے اور جب کبھی اسلام پر حملہ ہوتا ہے تو لازماً لوگ حضور کی ذات پاک کو نشانہ بناتے ہیں اور اپنے دل کا بخار نکالنے کے لئے ذاتِ رسالت مآب پر رکیک حملے کرتے ہیں۔ یہ وقت مایوس اور بددل ہونے کا نہیں ہے اور نہ یہ وقت پر تشدد ردعمل کا ہے۔ہم اس فتنے کا جواب دو طرح سے دے سکتے ہیں۔ پہلا اسلام کے علم کو عام کیا جائے اور حضور کی سیرت وسنت سے لوگوں کو واقف کرایا جائے اور دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ جایا جائے اور آپ کی تعریف وتوصیف کے ذریعہ آپ کی عظمت ومحبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کی جائے۔

مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان میں محفل میلاد کا آغاز کیوں اور کیسے ہوا اور سیرت کے جلسوں کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی ؟ بعض لوگوں نے اس کو بلاوجہ کا نزاعی معاملہ بنا دیا ہے اور اس کے ارد گرد اتنے اختلافات پیدا کردئے ہیں کہ ایک عام آدمی یہ سمجھ نہیں پاتا ہے کہ یہ جھگڑا کیوں اور کس وجہ سے ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ دونوں جانب بعض انتہا پسند عناصر نے اس مسئلہ کو عقیدے کا مسئلہ بنا کر مسلکی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے جس کا مقصد میری نظر میں دینداری نہیں دوکانداری ہے۔ جہاں تک میلاد کی مجلس میں کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھنے کی بات ہے تو

اس میں کیا حرج ہے؟ درود بیٹھ کر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور کھڑے ہو کر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور لیٹ کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ذکر خدا اور ذکر رسول کے لئے نمائش کی اہمیت نہیں ہے بلکہ اخلاص و ایمان ضری ہے۔ قرآن پاک کی سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں (آیت ۔۱۹۱) عربی عبارت میں قیام اور قعود اور جنوب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لئے رسول پر سلام پڑھنا یا رسول کا ذکر کرنے اور کھڑے ہو کر رسول پر درود بھیجنا کس طرح غلط ہو سکتا ہے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اب رہا درود و سلام عربی میں پڑھا جائے یا اردو میں یا دنیا کی کسی بھی زبان میں۔ میری رائے میں جو درود مخصوص ہیں ان کو تو عربی میں ہی پڑھنا چاہئے اور جہاں تک سلام کا تعلق ہے اس کو دنیا کی کسی زبان میں پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ دنیا کی ہر زبان اسلامی زبان ہے اور ہر زبان میں دین کا پہنچانا مسلمانوں پر لازم ہے۔

اگر صحیح احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو ایسی بہت سی حدیثیں ملیں گی جس میں درود و سلام کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضور نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے (مسلم) ابن مسعود کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب لوگوں سے زیادہ وہ مستحق ہو گا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا (ترمذی) حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے آپ نے فرمایا جو لوگ کسی مجلس مں بیٹھیں اور اس میں خدا کا ذکر نہ کریں اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجیں تو وہ مجلس لازماً ان کے حق میں تباہی ہو گی۔ خدا چاہے تو انہیں عذاب دے چاہے تو انہیں بخش دے (ترمذی) حضرت علی کی روایت ہے کہ آپ نے اس شخص کو بخیل قرار دیا جس کے سامنے آپ کا ذکر آئے اور آپ پر درود نہ بھیجے (ترمذی) حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جو کوئی مجھے سلام کرتا ہے تو اللہ میری روح کو مجھ پر پلٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد)

غیر ضروری مباحث سے قطع نظر ان احادیث کا تقاضہ ہے کہ نبی پاک پر کثرت سے درود وسلام بھیجا جائے وہ انفرادی بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی بھی میری رائے ہے بیٹھ کر بھی درود وسلام پڑھا جا سکتا ہے اور کھڑے ہو کر بھی ہیئت سے زیادہ اخلاص کی اہمیت ہے۔ کسی چیز کو رسم بنا لینا اور اس پر بے جا اصرار کرنا یہ بھی زیادتی ہے۔ بہر حال اس وقت ضرورت ہے کہ مسلمان معاشرے میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عام فضا بنائی جائے اور ہمارا ہر چھوٹا بڑا اس جذبے سے سرشار ہو، یہ دین کی حفاظت کی لازمی شرط ہے۔

میری خواہش تھی کہ پچھلے سو سالوں میں اردو میں بالخصوص جو نعت پاک مقبول ہیں ان کا ایک مجموعہ مع تعارف اور ضروری حواشی کے عام لوگوں کے لئے تیار کیا جائے۔ اس کے لئے میری نظر میں ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، سابق صدر شعبۂ اُردو، بی۔ آر۔ اے۔ بہار یونیورسیٹی، مظفر پور جو اردو زبان و ادب کے ادیب اور مستند عالم دین ہیں۔ ان سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوسکتا تھا۔ موصوف کو میں کم وبیش چالیس سالوں سے جانتا ہوں۔ ان کی جو علمی حیثیت ہے اس سے ایک دنیا واقف ہے میری نظر میں ان کی جو پہچان سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ عشق رسول ان کی شریانوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور یہ ان کا وظیفہ حیات ہے۔ اس لئے میں نے برادر بزرگ ڈاکٹر صاحب موصوف سے درخواست کی کہ آپ چونکہ خود بہت اچھے شاعر ہیں۔ نعت گوئی میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے اور پورے برصغیر میں جو نعتیں لکھی گئیں اور مقبول ہیں ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لہٰذا اس کا ایک وقیع مجموعہ افادۂ عام کے لئے تیار کر دیا جائے۔ برادر موصوف نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے اس کام کو پورا کر لیا ہے۔ اللہ سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے اور میرے لئے بھی باعث سعادت بنائے ساتھ ہی یہ کوشش عام لوگوں کے دلوں میں عشق رسول کی شمع فروزاں کرنے میں کارآمد ثابت ہو (آمین)

میں کوئی عالم، محقق یا دانشور نہیں ہوں۔ لہٰذا میں نے جو باتیں لکھیں ہیں یہ میری ذاتی رائے ہے جس کے غلط ہونے کا امکان ہے۔ اگر کوئی شخص یہ بتائے کہ میری رائے غلط ہے

تو میں اس سے رجوع کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں ملت میں وحدت اور اتحاد کا خواہاں ہوں اس لئے وہ بات کہنے سے گریز نہیں کرتا جس کو میں حق سمجھتا ہوں۔مگر اپنی کسی غلطی پر اصرار کرنا علمی خیانت ہوگی۔اس لئے میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔اللہ ہم سبھوں کو ایسی توفیق دے کہ ہم سب اپنے فروعی اختلافات کونظر انداز کر کے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔اس وقت حالات کا بھی یہی تقاضہ ہے۔لہٰذا غلامانِ رسول سے اتنی امید تو رکھی ہی جاسکتی ہے۔اللہ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو! (آمین)

خاکسار

ابوذر کمال الدین

سابق پرنسپل تنیشور کالج، مظفرپور، بہار

حضرت محسنؔ کاکوروی

سال ولادت : ۱۸۲۶ء   سال وفات : ۱۹۰۵ء

نام محمد محسن۔ والد کا نام مولوی حسن بخش۔ قصبہٗ کاکوری صوبہٗ اُتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ بزرگوں کا خاندان تھا۔ اس لئے خالص دینی ماحول میں ذہنی وروحانی ارتقاء ہوا۔ کمال خوش نصیبی کے نو سال کی عمر میں ہی خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگئے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ :

''شب جمعہ بتاریخ نو ذی قعد ۱۲۵۱ھ بعمر نو سال اٹاوہ میں اپنے جدّ بزرگوار کے پہلو میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ............۔''

واقعہ کی تفصیل سے قطع نظر حضرت محسنؔ صاکوروی واقعی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار تھے۔ یوں تمام مروجہ اصناف سخن میں آپ نے طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن نعت گوئی سے خصوصی شوق وشغف رہا ہے۔ اس لئے آپ نے کئی نعتیہ مثنویاں بھی لکھی ہیں اور نعتیہ قصائد بھی۔ ان کے نعتیہ قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' المعروف بہ قصیدہ لامیہ کو غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ اردو کے تمام ناقدین نے اس قصیدہ کی فکری وفنی عظمت تسلیم کی ہے۔ یہاں اس قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کئے جارہے ہیں۔

گُلِ خوش رنگ رسول مدنی العربی
زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر
نہ کوئی اس کا مماثل ، نہ مقابل نہ بدل

اوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گُہر، چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لَو بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روح امیں، زیبِ دہ عرشِ بریں
حامئ دینِ متیں، ناسخِ ادیانِ وملل
وسعتِ اقلیمِ ولایت میں شہِ عالی جاہ
چار اطرافِ ہدایت میں نبئ مرسل
سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
مرے ایمان مفصّل کا یہی ہے مجمل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ، تری قوت ترا بَل
ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سرسبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول، ہر اک پھول میں پھل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادمِ مرگ
شکل تری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
روح سے میری کہیں، پیار سے یوں عزرائیل
کہ مری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل
صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

وضاحت : اس قصیدہ میں مقطع کے شعر کا جو دوسرا مصرع ہے وہ مطلع کے شعر کا پہلا مصرع ہے۔یعنی ؎

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

اس شعر میں ہندوانہ اصطلاحات پر کئی حلقوں سے اعتراضات وارد ہوئے کہ اس میں کاشی، متھرا، گنگا جل وغیرہ کا ذکر بے محل ہے۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قصیدہ کی تشبیب کا شعر ہے۔اورتشبیب میں شاعروں کو چھوٹ ہوتی ہے کہ وہ جس طرح کے مضامین چاہیں باندھیں ۔ جیسے حضرت کعب بن زُہیر نے اپنے قصیدہ ’’بانت سعادُ‘‘ میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔اس کی بھی تشبیب اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا۔اور حضرت کعب کو ایک چادر بھی عنایت فرمائی۔نیز یہ ایک معنی میں حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ ہندی ہے۔لہٰذا سارے اعتراضات بے جا ہیں۔

بہرکیف حضرت محسنؔ کاکوروی کے قصیدہ کے اشعار بالا فکر بلند اور فن لطیف کا دلکش امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ہر شعر عشق رسول کا آئینہ دار ہے۔اور عقیدت و محبت کی فراوانی تموج پر ہے۔ایک عاشق رسول سے ایسے ہی کلام کی توقع کی جاتی ہے۔

امیرؔ مینائی

سال ولادت : ۱۸۲۸ء   سال وفات : ۱۹۰۰ء

اصل نام امیر احمد اور تخلص امیر ہے۔لکھنؤ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمہ سے ان کا سلسلۂ نسب ملتا ہے۔اسی نسبت سے مینائی لکھتے تھے۔والد گرامی کا نام کرم محمد ہے۔لکھنؤ میں ہی پیدا ہوئے۔گھر کا دینی ماحول تھا۔اس لئے شروع سے ہی بڑی محتاط و متشرّع زندگی گزاری۔ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں تکمیل تعلیم کی۔شعر گوئی کا فطری ذوق تھا۔ بڑے پُر گو اور قادر الکلام تھے۔غزل گوئی میں نام پیدا کیا۔ اساتذہ میں شمار ہوتا ہے۔ نعت گوئی کی ابتداء حضرت محسنؔ کاکوروی کی صحبت میں کی۔ پھر اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔آپ کی نعتوں کا مجموعہ ''محامد خاتم النبیین'' کے نام سے مشہور و مقبول ہے۔اس میں پانچ قصیدے، ایک سو چوالیس نعتیہ غزلیں، تین نعتیں ترجیع بند ہیں اور کچھ مفروات ہیں۔ وہ جس ہیئت میں بھی ہوں بہت ہی روح پرور اور ایمان افروز ہیں۔ پہلے قصیدے کے یہ تین اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

الف آدم میں ہے ممدود، احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا، یاں سایہ نہ تھا قد کا

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت عالم
گرا تھا تاج نورانی سے آویزہ زمرد کا

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے
انہیں دو نقطۂ زیریں کا طالب لفظ تھا ید کا

اور یہ امیر کی نعتیہ غزل ہے۔

قطرے کے منھ سے نام جو ان کا نکل گیا
بادل سے گر کے روئے ہوا پر سنبھل گیا
لکھا جو وصف گیسوئے پیچان مصطفےٰ ﷺ
کچھ مغفرت میں بل جو رہا تھا، نکل گیا
حضرت نے جن کے حق میں کہا جو وہی ہوا
کیا اختیار تھا کہ مقدر بدل گیا
چمکا جمال پاک کا جلوہ جو مثل برق
خرمن گناہِ امت عاصی کا جل گیا
کیسی بلا جو نام لیا میں نے آپ کا
آیا پہاڑ بھی مرے آگے تو ٹل گیا
بے آب چاہ ، حکم نبی سے ہوا پُر آب
اِیما درخت خشک نے پایا تو پھل گیا
قایل ہوں میں تو اپنی طبیعت کا اے امیر
مضمون نعت میں بھی نہ لطف غزل گیا

وضاحت : بخوف طوالت قصیدہ کے صرف تین اشعار رقم کئے گئے ہیں۔ نمونہ سے ڈھیر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تینوں اشعار کی زبان انتہائی پرشکوہ اور لہجہ بلند آہنگ ہے۔ مضمون آفرینی اس پر مستزاد ہے۔ نعت برنگ غزل میں بھی امیر کا فنکارانہ شعور اوج پر ہے۔ عقیدت و محبت کے جلوہَ ہائے صد رنگ اپنی بہاریں دکھلا رہے ہیں۔ ہر لفظ شہادت دے رہا ہے کہ شاعر سچا محبّ رسول ہے۔ قوافی بھی نہایت عمدہ اور اچھوتے ہیں۔ اور واقعی اس کلام میں تغزل کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے شاعر یہ کہنے سے میں حق بجانب ہے کہ ع

مضمون نعت میں بھی نہ لُطف غزل گیا

حضرت آسیؔ غازی پوری

سال ولادت : ۱۸۳۲ء　　　　　سال وفات : ۱۹۱۷ء

نام عبدالعلیم، تخلص آسی، والد گرامی کا نام شیخ قنبر حسین رشیدی، سکندر پور ضلع بلیا، یو پی، میں پیدا ہوئے۔ غازی پور آپ کی سسرال ہوئی۔ یہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اس لئے بہت دنوں تک یہاں قیام رہا۔ انتقال بھی یہیں ہوا اور مزار مبارک بھی یہیں مرجع خلائق ہے۔ اسی لئے آسیؔ غازی پوری کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔ ابتدائی تعلیم نانیہال میں اپنے نانا شاہ احسان علی کے زیر سایہ حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے جون پور چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا شاہ معین الدین رشیدی اور مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی جیسے بافیض اور صاحب نظر اساتذہ ملے علمی اور روحانی دونوں سطحوں پر مالا مال ہوگئے۔ شاعری کا فطری ذوق تھا ہی تمام مروجہ اصناف سخن میں اپنی بے مثل فنکاری کا ثبوت فراہم کیا۔ شہرت ومقبولیت نے بلائیں لیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''عین المعارف'' کے نام سے مرتب ہوا۔ اس پر اردو کے دو بڑے ناقدین پروفیسر مجنوں گورکھپوری اور شمس الرحمٰن فاروقی نے وقیع مقالے لکھ کر آپ کے فکروفن کی عظمت تسلیم کی ہے۔ فراقؔ گورکھپوری بھی آپ کی شاعری کے قائل تھے۔ ''عین المعارف'' میں غزل، نعت، قصیدہ، مثلث اور رباعیات شامل ہیں۔ یہاں ان کی ایک نعت پاک پیش کی جارہی ہے۔

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

تمہارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارض منور پر
کسی نے لی رہِ کعبہ، کوئی گیا سوئے دیر
پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر
گناہگار ہوں میں، واعظو تمہیں کیا فکر
مرا معاملہ چھوڑو شفیع محشر پر
پلا دے آج کہ مرتے ہیں رند اے ساقی
ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو حوض کوثر پر
صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل مضطر
پڑا ہے نقش کف پائے یار پتھر پر
اخیر وقت ہے آسیؔ چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پر

وضاحت : ایک ثقہ راوی کے مطابق غازی پور میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش پائے مبارک جو ایک خوبصورت پتھر پر تھا جب پہنچا اس کو دیکھ کر حضرت آسی کے دل میں تحریک ہوئی اور یہ نعت اسی موقع پر ہوگئی۔ چنانچہ دو مصرعوں میں ''نشان قدم اور نقش پا'' کی ترکیب موجود ہے۔ حضرت آسیؔ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ وہ عشق رسالت پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں غرق رہتے تھے۔ سنت و شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایسی شخصیت نادرالوجود ہی کہی جاسکتی ہے۔

مولانا الطاف حسین حاؔلی

سال ولادت : ۱۸۳۷ء سال وفات : ۱۹۱۴ء

نام الطاف حسین، تخلص حاؔلی والد کا نام خواجہ ایزد بخش ۔ جائے ولادت پانی پت پنجاب (موجودہ ہریانہ) نو برس کی عمر میں شفقت پدری سے محروم ہو گئے ۔ حاؔلی نے اپنا تعلیمی سفر حفظِ قرآن سے شروع کیا۔ مزید حصول تعلیم کے شوق فراواں نے دہلی پہنچا دیا۔ وہاں مختلف اساتذہ سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ طبع موزوں پائی تھی ۔ اس لئے فکر سخن بھی شروع کر دیا۔ خوش قسمتی سے مرزا غاؔلب کے یہاں رسائی ہوگئی ۔ ان سے مراسم بڑھے تو ان کو اپنا کلام بھی دکھلانا شروع کیا۔ غاؔلب نے حالی کی تخلیقی توانائی کو دیکھ کر کہا کہ :

''اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا، لیکن تمہاری نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر ظلم کرو گے۔''

چنانچہ حالی نے پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ شاعری شروع کر دی۔ غزل و نظم کو اپنے لئے وسیلۂ اظہار بنایا۔ اور خوب خوب کہا۔ مگر ان کا سب سے بڑا شعری کارنامہ ''مسدس مدو جزر اسلام'' ہے۔ اس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان بادیدہ نم نظم کی گئی ہے۔ اپنے زمانۂ تصنیف میں اس کا گھر گھر چرچا ہوا۔ اور آج بھی اس کا شمار زندہ کتابوں میں ہوتا ہے۔ سرسید احمد خاں نے اس کتاب کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھا تھا۔ یہ کتاب انہیں کی فرمائش پر لکھی گئی

تھی۔ حالؔی نثر اُردو پر بھی زبردست قدرت رکھتے تھے۔ ’’مقدمۂ شعر و شاعری‘‘ لکھ کر اردو میں تنقید جدید کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ تنقید اور سوانح کے موضوع پر اہم تصنیفی کارنامے انجام دئے۔ مختلف موضوعات پر مقالات بھی لکھے۔ مسدس مدو جزر اسلام کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت ہی ادب و احترام کے ساتھ ’’عرض حال‘‘ کے عنوان کے تحت امت کے مسائل و مصائب کو پیش کیا ہے۔ جس کا ایک ایک شعر دلوں کو چھوتا ہے۔ اس میں سے کچھ منتخب اشعار پیش کئے جارہے ہیں۔

عرضِ حالی بہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسری
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
جو تفرقے اقوام کے تھے آیا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے جو مغرور ہے، مفلس سو گدا ہے
دولت ہے نہ عزت، نہ فضیلت نہ ہُنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ ونوا ہے

اے چشمۂ رحمت بابی انت و امّی
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے
کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے
امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے اِک ان میں سوا ہے
ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیری محبت، تری عترت کی ولا ہے
جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے گرتی
وہ خاک ہمارے لئے داروئے شفا ہے
جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف
اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے
جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت
کعبے سے کشش اس کی مرے دل میں سوا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں، پھر آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے مگر حال بُرا ہے
گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ
اخبار میں الطّالحُ لی ہم نے پڑھا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری جو مقبول خدا ہے
ہاں حالؔی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے
باتوں سے ٹپکتی تری اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

وضاحت : ظاہر ہے یہ عرض حال ہے۔یعنی ملت بیضا پر جو مصائب و آلام کے پہاڑ مسلسل ٹوٹ رہے ہیں۔اُنہیں کی طرف حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ خاص مبذول کرائی گئی ہے۔دل سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔اورسب حقائق پر مبنی ہیں۔ایک مخلص و وفادار امتی اپنے آقا سے نہ کہے تو کس سے کہے۔حالؔی نے یہ داستان رنج وغم خون دل سے رقم کی ہے۔اس لئے ایک حساس قاری بادیدۂ نم ہی ان اشعار کو پڑھے گا۔آج بھی ان شعروں کی معنویت برقرار ہے۔اس لئے اس آئینہ خانہ میں اپنی زندگی کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

حضرت امام احمد رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ

سال ولادت : ۱۸۵۶ء   سال وفات : ۱۹۲۱ء

نام احمد رضاؔ، تخلص رضاؔ، لقب اعلیٰحضرت، امام، مجدد، والد گرامی کا نام مولانا نقی علی خاں، شہر بریلی کے محلّہ سوداگراں میں پیدا ہوئے۔ از ابتداء تا انتہا مکمل تعلیم اپنے والد ہی کے ذریعہ ہوئی جو خود بھی علامۃ الدہر تھے۔ حضرت رضاؔ کو عبقرئی زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ محض تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور اپنے وقت کے عالم ربانی، بے مثل فقیہ اور جامع حیثیات وکمالات شخصیت کے مالک ہوئے۔ دینی علوم وفنون کے علاوہ، جدید سائنسی علوم، ریاضی، اقلیدس، ہندسہ، طبیعات، علم الکیمیا وغیرہ جیسے بیسوں علوم میں دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی ہے۔ فقہ میں ''فتاویٰ رضویہ'' آپ کا شاہکار ہے۔ شعر وسخن سے بھی فطری لگاؤ تھا۔ بڑے قادرالکلام اور پُر گو تھے۔ تخلیقی صلاحیتیں ہمیشہ تموج پر رہتی تھیں۔ ہم عصر شعراء وادبا آپ کی استادانہ حیثیت تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی نعتوں کا مجموعہ ''حدائق بخشش'' پورے آفاق میں مشہور ومقبول ہے۔ مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام، آپ ہی کا تحریر کردہ سلام ہے جو پوری دنیا میں پڑھا جاتا ہے۔ آپ کے عشق رسول کا وہ لوگ بھی اعتراف کرتے ہیں جو آپ کے دینی افکار ونظریات سے پوری طرح متفق نہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام تقریباً تمام شعری لوازم سے آراستہ ہوتا ہے۔ یعنی شعری لطافت ونفاست رفعت تخیل اور مضمون آفرینی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ کہا جاسکتا ہے۔ ''حدائق بخشش'' سے درج ذیل نعت نقل کی جارہی ہے ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں، تجھے امید گہہ کہوں
جانِ مراد و کانِ تجلا کہوں تجھے
گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبل شیدا کہوں تجھے
اللہ رے اُن کے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں کان تجلا کہوں تجھے
بے داغِ لالہ یا قمر بے کلف کہوں
بے خار گلبن چمن ارا کہوں تجھے
مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیع ، روز جزا کا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ، حیات ابد کا دوں
تاب و توان جانِ مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تنا ہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضؔا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

اس نعت میں ایک سچے عاشق رسول کے دل کی اضطرابی کیفیت محسوس کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کن کن الفاظ والقابات سے یاد کرنا چاہتا ہے۔ اپنی بساط کے مطابق بہت کچھ کہہ لینے کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ ''حیراں ہوں مرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے'' کیونکہ وہ ذات مقدس منبع انوار وتجلیات ہے۔ تمام فضائل وکمالات کی وہ جامع ہے۔ ان کے مقام ومرتبہ کا صحیح علم وادراک صرف رب کریم کو ہے۔ اس کے باوجود

ایک مومن کامل اور عاشق صادق یہ چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ان کی مدح وستائش کر کے اپنی زبان قلم کو مشرف کرے تاکہ اس کا نصیبہ سنور جائے۔ ہر شعر انہیں جذبات واحساسات کا آئینہ دار ہے۔

الفاظ میں اک خوبصورت بہاؤ کی کیفیت ملتی ہے۔ بالکل فطری لب ولہجہ۔ محسوس کیا جاسکتا ہے۔

علامہ حسن رضا خاں حسؔن بریلوی

سال ولادت : ۱۸۵۹ء سال وفات : ۱۹۰۸ء

نام حسن رضا خاں، تخلص حسن، لقب علامۂ زمن، والد گرامی کا نام حضرت مولانا نقی علی خاں، امام احمد رضا بریلوی کے آپ منجھلے بھائی تھے۔ مکمل دینی تعلیم والد گرامی اور بڑے بھائی کے زیر سایہ ہوئی۔ بلند پایہ شاعر تھے۔ داغؔ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ اور بہت جلد ان کے ارشد تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اصناف سخن میں غزل و نعت سے قلبی لگاؤ رہا۔ پہلے غزلوں کا ایک مختصر دیوان ''ساغر پر کیف'' کے نام سے مرتب کیا۔ پھر'' ثمر فصاحت '' کے نام سے مکمل دیوان شائع کرایا۔ عشق رسول، شاعری تفقہ ان کا خاندانی شعار رہا ہے۔ اس لئے عشق رسول، میں ڈوب کر آپ نے نعتیں کہی ہیں۔ نعتوں کا مجموعہ'' ذوق نعت '' کے نام سے موجود ہے۔ اور مقبول بھی۔ افسوس حیات مستعار نے وفا نہ کی اور صرف انچاس ۴۹ سال کی عمر میں رحلت کر گئے۔ ''ذوق نعت'' سے یہ نعت نقل کی جارہی ہے۔

سحر چمکی، جمال فصل گل آرائشوں پر ہے
نسیم روح پرور سے مشام جاں معطر ہے

قریب طیبہ بخشے ہیں تصور نے مزے کیا کیا
مرا دل ہے مدینے میں، مدینہ دل کے اندر ہے

ملائک سر جہاں اپنا جھجکتے ڈرتے رکھتے ہیں
قدم ان کے گنہ گاروں کا ایسی سرزمیں پر ہے

سہانی طرز کی طلعت ، نرالے رنگ کی نکہت
نسیم صبح سے مہکا ہوا پرنور منظر ہے
لکھا ہے خامۂ رحمت نے در پر خط قدرت سے
جسے یہ آستانہ مل گیا، سب کچھ میسر ہے
خدا ہے اس کا مالک، وہ خدائی بھر کا مالک ہے
خدا ہے اس کا مولیٰ یہ خدائی بھر کا سرور ہے
زمانہ اس کے قابو میں ، زمانہ والے قابو میں
یہ ہر دفتر کا حاکم ہے، یہ ہر حاکم کا افسر ہے
عطا کے ساتھ ہے مختار، رحمت کے خزانوں کا
خدائی پر ہے قابو، بس خدائی اس سے باہر ہے
کوئی لپٹا ہے فرط شوق میں روضۂ کی جالی سے
کوئی گردن جھکائے رعب سے بادیدۂ تر ہے
تری دولت، تری ثروت، تری شوکت جلالت کا
نہ ہے کوئی زمیں پر اور نہ کوئی آسماں پر ہے
اگر شان کرم کو لاج ہو مرے بلانے کی
تو میری حاضری دونوں جہاں میں میری یاور ہے
تذبذب مغفرت میں کیوں رہے، اس در کے زائر کو
کہ یہ درگاہ والا رحمت خالص کا منظر ہے
مبارک ہو حسنؔ، سب آرزوئیں ہوگئیں پوری
اب ان کے صدقے میں عیش ابد تجھ کو میسر ہے

وضاحت : بہت ہی جاندار اور شاندار مطلع ہے۔ ایسی مرصع نعت خال خال

ہی نظر آتی ہے۔خوبصورت الفاظ اور نادر تراکیب سے آراستہ اس نعت کا ہر شعر اہل نقد ونظر کو دعوت مطالعہ دیتا ہے۔الفاظ وخیالات میں وہ بہاؤ کی کیفیت ملتی ہے۔جو کسی نرم سیر دریا کا وصف ہے۔ مدینہ طیبہ کی خدا داد عظمتوں اور اس کی بہاروں کا ایسا دلکش بیان ایک بڑا فنکار ہی کرسکتا ہے۔اور علامۂ زمن کے خامۂ زرنگار کی عطاؤں کا کیا پوچھنا۔

حسرتؔ موہانی

سالِ ولادت : ۱۸۷۵ء　　　　سال وفات : ۱۹۵۱ء

نام فضل الحسن، تخلص حسرتؔ، والد گرامی کا نام سید اظہر حسین۔ آپ قصبہ موہان اُنّاؤ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ نام سے زیادہ تخلص سے مشہور ہوئے۔ اسی لئے کہتے ہیں ؎

عشق نے جب سے کیا حسرتؔ مجھے
کوئی کہتا ہی نہیں فضل الحسن

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ ایم۔اے، او کالج علی گڑھ سے ۱۹۰۳ء میں بی۔اے، پاس کیا۔ فطری شاعر تھے۔ قادرالکلامی اور پُر گوئی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنے زمانے کے مشہور استاد شاعر تسلیم لکھنوی سے کلام پر اصلاحیں لی۔ کچھ دنوں میں فارغ الاصلاح ہوگئے۔ سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ خود ہی کہتے ہیں ؎

ہے مشق سخن جاری، چکّی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

غزل گوئی میں خوب نام پیدا کیا۔ جدید غزل گویوں کے امام تھے۔ نعت میں بھی ان کا کمال فن مسلم ہے۔ کم سنی سے ہی نماز و روزہ کے سختی سے پابند تھے۔ ایک روحانی سلسلہ میں بیعت بھی تھے۔ عشق خداوند تعالیٰ اور عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ مالی بے سروسامانی کے باوجود ان کو گیارہ حج کرنے اور بارہ بار روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ کئی بار خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی

مشرف ہوئے۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

جب دُور سے وہ گنبدِ خضریٰ نظر آیا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

ہر چار طرف بارش انوار کا عالم
موجود پئے دیدۂ بینا نظر آیا

مسجد میں جو تھا متصل روضۂ اطہر
اک قطعہ وہ جنت کا نمونہ نظر آیا

البتہ سکوں بخشی و خشبوئی کی رُو سے
ہر حصّۂ دنیا سے نرالا نظر آیا

حق بینی کو اس روضۂ اطہر کا منارا
ہم مرتبۂ عرش معلیٰ نظر آیا

ہم ہجر کے ماروں کو اسی قرب میں یکسر
بیمارئ فرقت کا مداوا نظر آیا

القصہ جو محروم سکوں تھا دل حسرت
آخر وہ یہیں آکے شکیبا نظر آیا

علامہ اقبالؔ

پیدائش : ۹/نومبر ۱۸۷۷ء   سال وفات : ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء

اصل نام محمد اقبال، تخلص اقبالؔ، والد گرامی کا نام شیخ نور محمد، سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں زندگی کا قیمتی حصہ بسر کیا۔ یہیں فوت ہوئے۔ بادشاہی مسجد کے زیر سایہ آخری آرام گاہ بنی۔ جو مرجع عوام وخواص ہے۔ شفیق استاد مولوی میر حسن کے زیر سایہ تعلیم وتربیت ہوئی۔ مولوی صاحب خود بھی بڑے دیندار اور محبّ رسول تھے۔ انہوں نے اپنے شاگرد اقبال کو بھی عشق رسول کا وہ جام لبالب پلا دیا جس سے وہ زندگی بھر مست وسرشار رہے۔ بلکہ عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں حدت اور شدت بڑھتی گئی۔ شاعرانہ عظمت مہر نیم روز کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ عالمی ادب کی بہت ہی قد آور اور محترم شخصیت ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بہترین شاعری کے نمونے پیش کئے ہیں۔ آپ کے افکار وخیالات کی گراں مایگی مسلم ہے آپ نے عالم انسانیت کو متاثر کیا۔ آپ کی ملی، وطنی اور سیاسی شاعری ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔ آپ ٹھوس صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو والہانہ لگاؤ رہا۔ حضور پاک کا نام آتے ہی اشک بار ہو جاتے۔ آپ نے کوئی طویل نعت نہیں لکھی ہے۔ مگر آپ کے متفرق اشعار موتی کے بکھرے ہوئے دانوں کی طرح آنکھوں کو نور اور دل کو سرور عطا کرتے ہیں۔ اکثر اشعار بے حد تہہ دار، پر معنی اور بلیغ ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ فکر بلند اور فن لطیف سے ممزوج ہونے کے سبب پورے آفاق میں مشہور ومقبول ہیں۔ ملاحظہ ہوں ؎

وہ دانائے سُبل ختم الرسل ، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا ، فروغ وادیٔ سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

لوح بھی تو ، قلم بھی تو تیرا وجودالکتاب
گنبد آبگینہ رنگ ترے محیط میں حباب
عالم اب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے فروغ آفتاب
شوکت سنجر و سلیم ، تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید ترا جمال بے نقاب

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے، پردہ میم کو ہٹا کر
وہ بزم یثرب (طیبہ) میں آکے بیٹھیں ہزار خود کو چھپا چھپا کر
شہید عشق نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ، ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

ترے ثنا گو عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روز محشر
کہ اس کو پیچھے لگا دیا ہے، گناہ اپنے دکھا دکھا کر
شہید عشق نبی ہوں، میری لحد پہ شمع قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے ، چراغ خورشید سے جلا کر
خیال راہِ عدم سے اقبالؔ تیرے در پہ ہوا ہے حاضر
بغل میں زاد عمل نہیں ہے، صلہ مری نعت کا عطا کر

سیمابؔ اکبرآبادی

سال ولادت : ۱۸۸۰ء   سال وفات : ۳۱/جنوری ۱۹۵۱ء

اصل نام عاشق حسین، تخلص سیمابؔ، اکبر آباد (یعنی آگرہ) کے رہنے والے تھے۔اسی نسبت سے اکبر آبادی لکھتے تھے۔وہ اپنے وقت کے مشہور اہل قلم، اسلامیات کے اسکالراور بلند پایہ استاد شاعر تھے۔پورے برصغیر ہندو پاک میں ان کے تلامذہ پھیلے ہوئے تھے۔وہ خود مرزا داغؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔نظم ونثر دونوں پر قدرت حاصل تھی۔اس لئے ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد درجنوں تک پہنچی ہے۔تقسیم ہند کے بعد وہ کراچی پاکستان چلے گئے تھے۔وہاں ان کے نام پر سیماب اکیڈمی بھی قائم ہوئی۔اس سے ان کی علمی وادبی حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔سیماب کا مذہبی وروحانی پس منظر بھی بڑا مستحکم تھا۔مشہور بزرگ حضرت حاجی وارث علی شاہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔اس لئے کبھی کبھی سیماب وارثی بھی لکھتے تھے۔انہوں نے آگرہ کے زمانۂ قیام میں ایک ادبی رسالہ ''شاعر'' کے نام سے جاری کیا تھا۔جو بہت مقبول ہوا اور اب بھی ممبئی سے ان کے نبیرۂ خاص افتخار امام صدیقی اسے نکال رہے ہیں۔سیمابؔ اکبرآبادی کے نعتیہ کلام کے دو مجموعے ملتے ہیں۔ایک کا نام ''منجانب نیستان'' ہے اور دوسرے کا نام ''ساز حجاز'' ہے۔نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

سلام اے صبح کعبہ، السلام اے شام بُت خانہ
تو چمکا بزم آذر میں بہ انداز خلیلانہ

حریم پاک تیرا وہ بلند ایواں حقیقت کا
جہاں جبریل بھی ناچیز سا ہے ایک پروانہ
کہیں تو زندگی پیرا بہ انداز لب عیسیٰ
کہیں پر خطبہ فرما ، اوج طائف پر کلیمانہ
فراغ آفرینش ہے تو ہے تیرے ہی جلوؤں سے
کہیں تو شمع محفل ہے ، کہیں تو نور کا شانہ
کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی تو نے فرمائی
کہ ہر ذرہ زمیں کا ہو گیا تیرا ہی دیوانہ
یہ دنیا تیری نظروں میں مثال نقطہ ناقص
یہ عالم خرمن عرفاں کا تیرے صرف اِک دانہ
مجھے معلوم ہے راز غلامی اہل عالم کا
ہے آئین سیاست سے ترے ذہن ان کا بیگانہ
اگر پیرو ترا یہ عالم ایجاد ہو جائے
اِک انساں ہی کیا؟ کل کائنات آزاد ہو جائے

اکبؔر وارثی میرٹھی

تاریخ وفات : ۲۰؍مئی ۱۹۵۳ء

نام محمد اکبر وارثی۔ روحانی نسبت حضرت وارث علی شاہ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی کی طرف، جن سے وہ مرید تھے۔ موضع بجولی، تھانہ کھوکھودا، تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے تھے۔ شعری ذوق وہبی طور پر عطا ہوا تھا۔ اردو نثر پر بھی قدرت حاصل تھی۔ اکبؔر وارثی کی تمام تر شہرت و مقبولیت کا دارومدار ان کی شاہکار تصنیف ''میلاد اکبر'' پر ہے۔ جو بلا شبہ ایک زندۂ جاوید کتاب ہے۔ یہ اپنے زمانۂ تصنیف سے لے کر آج تک یکساں طور پر مقبول ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء ہے۔ میں نے اپنے بچپن (۵۵۔ ۱۹۵۰ء) میں اس کتاب کو محافل میلاد میں پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اور پھر اپنے ہم نواؤں کے ساتھ خود بھی جھوم جھوم کر پڑھا کرتا تھا۔ اور اب بھی پڑھتا رہتا ہوں۔ اس میں شامل نعتیہ کلام عشق رسول کا چھلکتا ہوا جام پیش کرتا ہے۔ جس سے سامعین و قارئین مست و سرشار ہو جاتے ہیں۔ کتاب کا ساحرانہ اسلوب دلوں کو مسخر اور روح کو منور کر دیتا ہے۔ نثر بھی جاندار ہے اور شعر بھی شاندار۔ اکبؔر وارثی کی عظمت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ استاد شاعر تھے۔ ان کو کثیر التلامذہ کہا جاسکتا ہے۔ ''شاہنامۂ اسلام'' کے مصنف حفیظؔ جالندھری بھی ان کے شاگردوں میں تھے۔ اکبؔر کے اور بھی کئی رسائل و کتب ہیں لیکن ان کی سدا بہار عظمت اس امر میں پوشیدہ ہے کہ وہ زبردست عاشق رسول تھے۔ بطور نمونہ ''میلاد اکبر'' سے ایک نعت نقل کی جارہی ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

محمد مصطفٰے صل علی کی آج محفل ہے
حبیب کبریا صلی علٰی کی آج محفل ہے

پڑھو صلّ علیٰ ، صلّ علی صلّ، علیٰ ہردم
کہ محبوب خدا صلی علی کی آج محفل ہے
وضو سےئ آئیں بیٹھیں باادب بھیجیں درود ان پر
جہاں کے رہنما صلی علیٰ کی آج محفل ہے
فرشتے عالم بالا سے سن سن کر یہ کہتے ہیں
چلو نور خدا صلی علیٰ کی آج محفل ہے
کرم کے پھول، نیکی کے ثمر، رحمت کے گلدستے
بٹیں گے مصطفےٰ صلی علیٰ کی آج محفل ہے
ہے جس کے نور سے رنگ و بہار گلشنِ ہستی
اسی رنگین ادا صلی علیٰ کی آج محفل ہے
حضوری میں کریں صلی علیٰ کی پیش سب نذریں
کہ سب کے پیشوا صلی علیٰ کی آج محفل ہے
ہوئے ہیں جن کے رخ سے داغ، دل میں ماہِ کامل کے
اسی بدرالدجیٰ صلی علیٰ کی آج محفل ہے
ہے ادنیٰ مرتبہ قوسین کا درگاہ میں جس کی
اسی شاہ دَنیٰ صلِّ علیٰ کی آج محفل ہے
نکالا جس نے چشمہ آب کا انگلی سے جنگل میں
اس بحرِ سخا صلی علیٰ کی آج محفل ہے
دعائیں مانگ لے جو مانگنی ہوں حق سے اے اکبؔر
ترے مشکل کشا صلی علیٰ کی آج محفل ہے

مولانا اقبال سہیل

سال پیدائش : ۱۸۸۴ء   سال وفات : ۱۹۵۵ء

نام محمد اقبال سہیل، قلمی نام بھی یہی ہے۔ موضع بڈھریا، ضلع اعظم گڑھ یو۔ پی، میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ عصری تعلیم کے لئے علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں سرسید کے ایم۔ اے۔ او کالج، سے ایم۔ اے، بی۔ ایڈ، کیا۔ وہاں پروفیسر رشید احمد صدیقی اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے ساتھی ملے۔ جن کی صحبت نے ان کی صلاحیتوں کو اور بھی جلا بخشی۔ شعری ذوق وہبی تھا۔ اس لئے غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک ہوئے۔ انہوں نے کئی چھوٹی بڑی تصانیف چھوڑی ہیں۔ مگر نعتیہ قصیدہ '' موج کوثر'' اُن کا اہم کارنامہ ہے۔ جس میں انہوں نے جودت طبع، قوت ایجاد اور مضمون آفرینی کا بے مثل مظاہرہ کیا ہے۔ قصیدہ کی زباں پر تکلف، پرشکوہ اور بیان بارعب و بلند آہنگ ہوتا ہے۔ زیر نظر قصیدہ میں یہ سارے خصائص موجود ہیں۔ باالفاظ دیگر اس نعتیہ قصیدے میں اعلیٰ شاعری کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے اس قصیدے میں عشق رسول سے متعلق جن جذبات واحساسات کا اظہار کیا ان کی گراں مایگی مسلم ہے صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں بہت سارے شعراء نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ ان میں اقبال سہیل سب پر فائق ہیں زیر نظر قصیدہ کے کچھ منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

احمد مرسل، فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر عالم، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلم
حفظ مراتب پاس اخوت، سعی وتوکل رفق وفتوت
تلک حُدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم
وہ مصداق دنیٰ فتدلیٰ، جس کی منزل عرش معلیٰ
نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
شرح الم نشرح وہ سینہ، برق تجلی کا گنجینہ
جگ مگ جگ مگ چم چم چم صلی اللہ علیہ وسلم
المدثر، المزمل، ذات اس کی کونین کا حاصل
خاک پہ سجدہ عرش پہ پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلہ ایماں کا مولد
دولت سرمد جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
مہر رسالت مہر جلالت، عین عدالت خضر ولادت
اے بہ کمالت ناطقہ اَبکم صلی اللہ علیہ وسلم
مٹ گئے جو متنبّی اٹھے بجھ گئے جو بولہبی اٹھے
سب کی بساطیں کر دیں برہم صلی اللہ علیہ وسلم
اسوۂ اجمل، دین ممثل، نطق مدلل، وحی منزل
شرح معدل، سلم سلم صلی اللہ علیہ وسلم
عالم ناسوتی کا مجاہد، شاہد لاہوتی کا مشاہد
شان میں ارفع، صبر میں اقوم صلی اللہ علیہ وسلم
سید بطحیٰ مخبر صادق، عروۂ واثقیٰ مصحف ناطق

برزخ کبریٰ ، آیۂ محکم صلی اللہ علیہ وسلم
وہ قبلہ نمائے سجدہ گزاراں ، شعلہ سینا، جلوہ فاراں
صبح بہاراں ، جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
بعد خدا ہر ایک سے افضل، اشرف واکمل، اطیب واجمل
اصدق ، اعدل ، اجود، احکم، صلی اللہ علیہ وسلم
کنز دقائق ، حسن حقائق جان حدائق ، روح خلائق
سب پر فائق سب پر اقدم صلی اللہ علیہ وسلم
نیر ساطع ، صہر پیمبر، حجت قاطع ، فاتح خیبر
وہ میدان وغا کے ضیغم صلی اللہ علیہ وسلم
شافع محشر، ماحیٔ عصیاں، حامیٔ مضطر، حارس گیہاں
ساقیٔ کوثر، وارث زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
ابر دُر افشاں سرور سامی، بدر درخشاں ، صدر گرامی
حاذق دوراں، چارۂ گر غم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوریؔ بریلوی

طسال ولادت : ۱۸۹۲ء سال وصال : ۱۹۸۱ء

نام مصطفیٰ رضا خاں، نوری تخلص، لقب مفتی اعظم ہند۔ امام احمد رضا کے چھوٹے صاحبزادے۔ بریلی کے محلّہ سوداگراں میں ہی ولادت ہوئی۔ ابتدائی و انتہائی تعلیم والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ منظر اسلام میں ہوئی۔ شروع ہی سے فیضان نظر بھی ملا اور مکتب کی کرامت بھی۔ پھر تو علم و فضل اور زہد و ورع میں یکتائے روزگار ہونا ہی تھا۔ ان پر یہ شعر بھی منطبق ہوتا ہے کہ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی

می تافت ستارۂ بلندی

فقہ و افتا کی خصوصی تربیت والد معظم ہی کے زیر سایہ ہوئی۔ اپنی خداد صلاحیت و ذہانت کی بدولت بہت جلد علامۂ وقت اور مفتی اعظم ہوئے۔ اپنے نامور والد کی طرح آپ بھی مارہرہ کے صاحب نظر بزرگ و پیر کامل حضرت ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے۔ اسی لئے آپ شاعری میں نوریؔ تخلص کرتے تھے۔ شاعری کا ذوق بھی خاندانی ورثہ کے طور پر ملا۔ آپ کی نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ ''سامان بخشش'' کے نام سے دستیاب ہے۔ آپ پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم کے سچے شیدائی تھے۔ اس لئے آپ انہیں کے سلسلۂ قادریہ میں مرید کیا کرتے تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے اور پورے برّ اعظم ایشیا اور افریقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی کئی تصانیف بھی ہیں۔

لیکن کہ آپ کی نعتیں بڑی مقبول ہیں۔ جو ہندوستان و پاکستان کی مذہبی تقریبات میں بہ کثرت پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کا مزار پرانوار اپنے والد کے مزار کے قرب میں بریلی میں ہی واقع ہے۔ اور مرجع خلائق ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

سر عرش علا پہنچا قدم جب میرے سرور کا
زبانِ قدسیاں پر شور تھا، اللہ اکبر کا
بنا عرش بریں مسند کفِ پائے منور کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا
دو عالم صدقہ پاتے ہیں مرے سرکار کے در کا
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا
ہے خشک و تر پہ قبضہ جس کا وہ شاہ جہاں یہ ہے
یہی ہے بادشاہ بر کا، یہی سلطاں سمندر کا
طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعت شہِ سرور
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا
مقابل ان کے ذرّہ کے ذرا سا منہ نکل آیا
بہت شہرہ سنا کرتے تھے ہم خورشید محشر کا
نہ سایا روح کا ہرگز نہ سایہ نور کا ہرگز
تو سایہ کیسا اس جان جہاں کے جسم انور کا
کمی کچھ بھی خزانے میں تمہارے ہو نہیں سکتی
تمہیں حق نے عطا فرما دیا جب چشمہ کوثر کا
جو آب و تاب دندانِ منور دیکھ لوں نوریؔ
مرا بحر سخن سرچشمہ ہو خوش آب گوہر کا

حفیظ جالندھری

سال ولادت : ۱۹۰۰ء سالِ وفات : ۱۹۸۲ء

نام محمد صدیق، تخلص حفیظ، پنجاب کے شہر جالندھر کے رہنے والے تھے۔اسی نسبت سے حفیظ جالندھری لکھنے لگے۔والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔ابتدائی تعلیم مسجد میں ہوئی اوراس کے بعد مکتب میں۔مولانا غلام قادر گرامی ان کے شفیق استاد تھے جوان کی شاعرانہ اٹھان اور پرسوز ترنم کودیکھ کرابوالاثر کہنے لگے۔اعلیٰ تعلیم تو وہ حاصل نہیں کرسکے۔مگر غیر معمولی شاعرانہ صلاحیتوں کی بدولت علامہ اقبالؔ کے بعد ہندو پاک کے سب سے بڑے اسلامی شاعر ہونے کا اعزاز و اکرام حاصل کیا۔حالانکہ ان کے خالص ادبی کارنامے بھی بڑے وقیع ہیں۔لیکن ’’شاہنامہ اسلام‘‘ نے ان کو زندۂ جاوید کردیا۔وہ امتیاز پاکستان، خان بہادر، ملک الشعراء، حسان الملک، فردوسی اسلام اور شاعر پاکستان جیسے خطابات والقابات سے نوازے گئے۔ان کے ہم عصروں میں جوشؔ، ساغرؔ نظامی، اخترؔ شیرانی، اور فراقؔ جیسے بڑے شعراء تھے۔لیکن قوم وملت کی نگاہوں میں سب سے محترم اورقدآور شخصیت کے مالک بنے۔ان کی غزلیں اور نظمیں بھی بڑی دلکش ودل آویز ہیں۔مگر شاہنامۂ اسلام کی شہرت ومقبولیت کے سامنے ان کا چراغ روشن نہیں ہوسکا۔ ۱۹۸۲ء میں راہی ملک عدم ہوگئے۔شاہنامہ اسلام حصہ اوّل سے یہ اشعار نقل کئے جارہے ہیں۔ جن میں ولادت طیبہ کا بیان ہے۔ملاحظہ فرمائیں ؂

وہ دن کہ آیا پورے ہوگئے توریت کے وعدے
خدا نے آج پورے کردئے ہر بات کے وعدے
سر فاراں پہ لہرانے لگا جب نور کا جھنڈا
ہوا اِک آہ بھر کر فارس کا آتشکدہ ٹھنڈا

بجائی بڑھ کے اسرافیل نے پر کیف شہنائی
ہوئی فوج ملائک جمع زیر چرخ مینائی
سحاب نور آ کر چھا گیا، مکے کی بستی پر
ہوئی پھولوں کی بارش ہر بلندی اور پستی پر
مبارک ہو کہ جان راحت و آرام آ پہنچا
نجات دائمی کی شکل میں اسلام آ پہنچا
مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لائے ہیں
جناب رحمۃ للعالمیں تشریف لائے ہیں
بصد انداز یکتائی ، بہ غایت شان زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

....

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
سلام اے ظِل رحمانی، سلام اے نور یزدانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی
سلام اے سرِّ وحدت، اے سراج بزم ایمانی
زہے یہ عزت افزائی ، ترے تشریف ارزانی
حفیظؔ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی
سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

مولانا ماہر القادری

سالِ ولادت : ۱۹۰۷ء سال وفات : ۱۹۷۸ء

اصل نام منظور حسین صدیقی تھا اور قلمی نام ماہر القادری ، والد کا نام مولانا معشوق علی ہے۔ ولادت قصبہ کبیر صلاح ضلع ، بلند شہر، یو۔ پی میں ہوئی حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی سے سلسلۂ قادریہ میں مرید تھے۔ اس نسبت سے قادری لکھتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے اور کراچی میں مقیم ہو گئے۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق فراواں تھا۔ اس لئے مذہبی اور ادبی دونوں موضوعات پر خوب لکھا۔ کراچی سے ایک رسالہ ''فاران'' بھی نکالا تھا۔ جس کے ذریعہ اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ کرتے تھے۔ آخر عمر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی فکر کے ترجمان بن گئے تھے۔ عالمی شہرت حاصل کی۔ مذہبی، علمی اور ادبی موضوعات پر چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی کتاب ''دریتیم'' شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ناول کے اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی زبان بے حد شگفتہ و پاکیزہ اور طرز بیان انتہائی دلکش و دل آویز ہے۔ ماہر القادری بھی اس کتاب کو اپنا ایک بڑا کارنامہ سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں :

> ''میرے بہت سے ناول اور افسانوں کے مجموعے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں لیکن ناول ''دریتیم'' میرے لئے ذخیرۂ عقبیٰ اور توشۂ آخرت ہے۔''

ماہر صاحب ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ غزلیں بھی کہی ہیں ، لیکن عشق رسول

میں ڈوب کر جو نعتیں کہی ہیں۔ ان کا والہانہ انداز ہی کچھ اور ہے۔ ان کا ایک سلام پوری دنیا میں مقبول ہے۔ اس میں سیرت پاک کے تمام اہم نقوش کو انہوں نے بڑی خوبصورتی اور فنکاری سے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ماہر القادری اپنے اس سلام کی بدولت زیادہ مشہور ہیں جو میلاد پاک کی محافل اور دیگر دینی تقریبات میں ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں
سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا بازار طائف میں
سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا
سلام اس پر فضا جس نے زمانے کی بدل ڈالی
سلام اس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
اُلٹ دیتے تھے تخت قیصریت تاج دارائی
سلام اس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حیدر کے افسانے
درود اس پر کہ جس کا نام تسکین دل و جاں ہے
درود اس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے

زائرحرم حمید صدیقی لکھنوی

سال ولادت : ۱۹۱۰ء سال وفات : ۱۹۶۵ء

نام عبدالحمید صدیقی، تخلص حمید، زائرحرم لقب، خاص شہر لکھنو وطن ہے۔ دینی ماحول کے پروردہ۔ علماء وصوفیا کی صحبت میں زندگی کے بہترین ایام گزارے۔ کئی بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اسی لئے زائرحرم، کا لقب ملا۔ شعروسخن سے فطری وابستگی تھی۔ بہت ہی قادرالکلام اور پُرگو تھے۔ نعتیہ شاعری کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔ جس کے نتیجے میں ''گلستان حرم'' اور ''بستان حرم'' جیسے خوبصورت مجموعے منظر عام پر آئے اور علمی وادبی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئے۔ اکابر شعرا نے ان کے کلام کی مدح وستائش کی۔ کلام میں بڑی سادگی، روانی اور شگفتگی ہے۔ درج ذیل نعت پاک ان کے شعری مجموعہ ''گلبانگ حرم'' سے ماخوذ ہے۔

وہ عجیب وقت تھا جب چلے تھے، دیارنکہت ونور سے
وہ عجب سماں تھا جدا ہوئے تھے جو آستان حضور سے

وہ درود پڑھنا مرا حرم میں کمال کیف و سرور سے
کبھی جالیوں کے قریب سے، کبھی ہٹ کے سامنے دور سے

وہ عنایتیں وہ نوازشیں ، وہ نشاط دید کی بارشیں
جو ہجوم جلوہ کی تابشیں نظر آئیں حجلہ نور سے

'جبل اُحد' کے نظارے کی ہے نگاہ شوق کو آرزو
نہ خیال باغ نعیم کا، نہ ہے ربط منظرِ طور سے

ہے مری نگاہ میں آج بھی، شبِ ماہ کی وہی دلکشی
وہ فضا میں چھٹکی ہے چاندنی جو ضیائے قبّہ نور سے
کبھی مجھکو محو نہ کر سکے، یہ رباب و چنگ کے زمزمے
کہ دل اپنا مست ہے باغ طیبہ کے نغمہائے طیور سے
وہ نظر نواز تجلیاں، وہ سکوت دل وہ سکونِ جاں
یہ کسے مجال ملا سکے جو نظر کو پردۂ نور سے
کبھی زائران حرم اگر سوئے دشتِ بدر بھی ہو گزر
تو سلام کہنا میری طرف سے وہاں کے اہل قبور سے
جو تڑپ حمید ہے آج کل اسی دُھن میں آئے مجھے اجل
مرے لب پہ ہوگی یہی غزل، جو اٹھوں گا شورِ نشور سے

پروفیسر اختؔر قادری

سالِ ولادت : ۱۹۱۵ء سال وفات : ۱۹۸۵ء

پورا نام سید شاہ اختر حسین قادری ہے۔ دنیائے شعر و ادب میں اختر قادری کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام سید احمد ہے۔ موضع بلیاری، وزیر گنج، ضلع گیا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ انگریزی کی تعلیم مقامی طور پر مولوی سید محمد اسحاق سے پانے کا موقع ملا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے پٹنہ آگئے۔ پٹنہ یونیورسیٹی سے اردو اور فارسی میں ایم۔اے۔ کیا۔ سی ایم کالج دربھنگہ میں لکچرار بحال ہوئے۔ پھر لنگٹ سنگھ کالج، مظفر پور آگئے اور یہیں سے ۱۹۷۵ء میں متقاعد ہوئے۔ شاعری کا ذوق فطری تھا۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ ''سرودِ نو'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں غزلیں ہیں اور نظمیں بھی۔ اس میں معراج کی رات کے عنوان سے ان کی نعت بھی ہے۔ جو یہاں نقل کی جارہی ہے۔

صاف کہتی ہے یہ خود راہ گزر آج کی رات
کرّ و فر سے تھا کوئی گرم سفر آج کی رات
زعفران زار بنی ، کثرت گل پاشی سے
کہکشاں اور ہی آتی ہے نظر آج کی رات
کس کے دیدار نے بخشا یہ سکون فاطر
کیوں دکھاتا نہیں داغ اپنے قمر آج کی رات
ساز فطرت سے صدا پھوٹ رہی ہے کیسی
عالم وجد میں ہیں برگ و شجر آج کی رات

کس کی آمد کی فلک پر یہ مچی ہیں دھومیں
کیوں لٹاتے ہیں ''ملک لعل و گہر'' آج کی رات
کچھ عجب کیف سا ہے ارض و سما پر طاری
فرش تا عرش ہے اک رنگ دگر آج کی رات
''نوریاں نعرہ زباں سجدۂ شکرانہ زنند''
پڑی کس نور مجسم پہ نظر آج کی رات
ہاں وہی فخر بشر ، سید مکی، مدنی
مہیماں ہے وہی اللہ کے گھر آج کی رات
شب معراج ہے اختر، نہ ہو اس درجہ اداس
کیا عجب تجھ پہ ہو رحمت کی نظر آج کی رات

جگن ناتھ آزاد

سالِ ولادت : ۱۹۱۸ء سالِ وفات : ۲۰۰۴ء

نام جگن ناتھ، تخلص آزادؔ، والد کا نام تلوک چند محروم۔ قصبہ عیسیٰ خیل، گجرانوالہ موجودہ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان آ گئے۔ یہاں مرکزی حکومت کے رسالہ ''آج کل'' کی ادارت کی۔ پھر انفارمیشن آفیسر بحال ہوئے۔ ایمرٹیس پروفیسر کی حیثیت سے جمّوں یونیورسیٹی میں خدمات انجام دیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ علامہ اقبال کے شیدائی تھے۔ ان پر کئی کتابیں اور مقالات لکھے ہیں۔ ناقد کے علاوہ بلند پایہ شاعر بھی تھے غزل نعت اور نظم تینوں میں طبع آزمائیاں کی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کے مدعی رہے ہیں۔ اس لئے اور کچھ رسم زمانہ کی تقلید میں بھی انہوں نے نعتیں کہی ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''نسیم حجاز'' کے نام سے مشہور و موجود ہے۔ انہوں نے عید میلاد النبی کے موضوع پر جو ایک طویل نظم لکھی ہے۔ اس کے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

آج کا دن تھا کہ نور معانی کے طفیل
تیرہ و تار زمیں مطلع انوار ہوئی

آج کا دن تھا کہ ظلمات سے ہوکر بیزار
زندگی جلوۂ پنہاں کی طلب گار ہوئی

آج کا دن تھا کہ جب باد بہاری کے سبب
خس و خاشاک کی دنیا گل گلزار ہوئی

آج کا دن تھا کہ آگاہِ حقیقت ہوکر
عقل ہر شعبدۂ وہم سے بیزار ہوئی
آج کا دن تھا کہ توحید کا نغمہ سن کر
زندگی چونک اٹھی، خواب سے بیدار ہوئی
آج کا دن تھا کہ خورشید حقیقی چمکا
دور عالم سے توہم کی شب تار ہوئی
روئے گیتی سے مٹی کہتر و مہتر کی تمیز
ایک پیغام مساوات ملاآج کے دن
اور صحراؤں کی دنیا میں بھٹکنے نہ دیا
کارواں تجھ کو ملا راہنما آج کے دن
عالم قدس سے مہکی ہوئی آئی جو نسیم
غنچہ انساں کے مقدر کا کھلا آج کے دن
آب و گل ایک زمانے سے تھے مصروف دعا
رب اکبر نے سنی ان کی دعا آج کے دن
اس طرح خاک کی اور تقدیر کا تارہ چمکا
ذرۂ خاک ہوا تاروں سے سوا آج کے دن
دیکھتی رہ گئی گردوں کی بلندی تجھ کو
خاک بطحا تجھے رتبہ وہ ملا آج کے دن
تیرہ و تار فضاؤں میں تجلی چمکی
کس کا اعجاز تھا یہ ایک بشر کا اعجاز
ہاں یہ اعجاز اسی صاحب اعجاز کا تھا
آج بھی محفل گیتی کا ہے جو چہرہ طراز

زندگانی کی ہر ایک رمز سمجھنے والا
زندگی کے ہر ایک درد کا دانندۂ راز
ہر زمانے میں وہ انساں کو جگاتی ہی گئی
کبھی گونجی تھی جو صحرائے عرب میں آواز
تونے انسان کو انسان سے آگاہ کیا
اے ترے نام سے پیدا ہوئے سینے میں گداز
جو ہر طبع من از وصف کمالت روشن
گوہر نظم من از نسبت ذاتت ممتاز

علامہ ارشد القادری

سال ولادت : ۱۹۲۴ء سال وفات : ۲۰۰۲ء

اصل نام غلام رشید، قلمی نام ارشد القادری، اسی نام سے عالمی شہرت حاصل کی۔ بڑی محترم اور قد آور شخصیت کے مالک تھے۔ والد کا نام مولوی عبد اللطیف ہے۔ صوبۂ اتر پردیش کے ضلع بلیا کے ''سید پورہ'' گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خاندانی بزرگوں کے زیر سایہ ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مبارک پور مدرسہ مصباح العلوم گئے جو بعد میں جامعہ اشرفیہ کی شکل میں متعارف ہوا۔ وہیں سے حافظ ملت مولانا عبد العزیز علیہ الرحمہ کی خصوصی نگرانی میں تکمیل تعلیم کے بعد فراغت حاصل کی۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب آپ کے بہنوئی تھے۔ ان سے مرید ہو گئے۔ آپ بچپن ہی سے بہت ذہین و فطین تھے۔ اس لئے جامع حیثیات و کمالات بن کر مطلع عالم پر نمودار ہوئے۔ اور ایک بلند پایہ عالم دین، خطیب، مناظر، رئیس القلم، صحافی، مفکر، مدبر اور مصنف تمام حیثیتوں میں اہم نقوش چھوڑے۔ سچ یہ ہے کہ وہ ایک شخص نہیں ادارہ تھے۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ ان کی تعمیری سرگرمیاں بھی عروج پر تھیں۔ سینکڑوں مدارس اسلامیہ قائم کئے۔ درجنوں مسجدیں تعمیر کرائیں اور اسلامی و تبلیغی مراکز بھی کھولے اُن کو فروغ و استحکام بخشا۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیاں ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ یوروپی ممالک میں بھی آپ نے کئی ادارے بنوائے۔ یعنی ؎

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

۲۹/اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔ جمشید پور میں اپنے قائم کردہ جامعہ فیض

العلوم کے مغربی صحن میں مدفون ہوئے۔آپ نے کئی نعتیں کہی ہیں۔ یہاں موصوف کی ایک نعت پاک پیش کی جارہی ہے۔جو کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ملاحظہ فرمائیں ۔

بہر دیدار مشتاق ہے ہر نظر، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
چاندنی رات ہے اور پچھلا پہر ، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
سدرۃ المنتہیٰ، عرش و باغ ارم ہر جگہ پڑ چکا ہے نشانِ قدم
اب تو اک بار اپنے غلاموں کے گھر، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
صبح امید کا اب سویرا ہوا، سوئے طیبہ نگاہوں کا ڈیرا ہوا
بچھ گئے راہ میں فرش قلب و جگر دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
سامنے جلوہ گر پیکر نور ہو، منکروں کا بھی سرکار شک دور ہو
کر کے تبدیل اِک دن لباس بشر، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
آخری وقت ہے اک بیمار کا، دل مچلنے لگا شوق دیدار کا
بجھ نہ جائے کہیں یہ چراغ سحر، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
تا ابد اپنی قسمت پہ نازاں رہوں، خاک ہو جائیں پھر بھی فروزاں رہوں
دل کی بزم تمنا میں اک بار پھر ، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
حشر میں ہر طرف آپ کی دھوم ہو، شان عز و شرف سب کو معلوم ہو
یوں لٹاتے ہوئے رحمتوں کے گہر ، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
ایک دن میری پلکوں پہ رکھئے قدم، مرے گھر میں گڑیں شوکتوں کے علم
میزبانی کے قابل نہیں ہوں مگر، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے
شام غربت ہے اور شہر خاموش ہے، ایک ارشدؔ اکیلا کفن پوش ہے
خوف کی ہے گھڑی، وقت ہے پر خطر، دونوں عالم کے سرکار آجا یئے

بیکلؔ بلرامپوری

سالِ ولادت : ۱۹۲۸ء سال وفات : ۲۰۱۶ء

اصل نام لودی محمد شفیع خاں اور تخلص بیکلؔ والد گرامی کا نام لودی محمد جعفر خاں، موضع گوررامپور، تھانہ مفصل اُترولہ، ضلع گونڈہ (بلرام پور) یو۔ پی، میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مقامی اسکول میں ہوئی۔ انٹرمیڈیٹ سے آگے نہیں پڑھ سکے۔ لیکن اپنے دلکش ترنم کی بدولت عالمی شہرت حاصل کی۔ راجیہ سبھا کے ممبر بھی ہوئے اور کئی اعزازات و انعامات سے نوازے گئے۔ اصناف سخن میں غزل گیت اور نعت میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مشاعروں میں نعت اور گیت اُن سے بطور خاص پڑھوائے جاتے تھے۔ ''پروائیاں'' اُن کی گیتوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ نعتوں کے بھی کئی مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ سیرت پاک کے جلسوں میں نعت خوانی سے اُن کی شہرت ومقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ان کی آواز میں جو نغمگی، موسیقیت اور حلاوت تھی وہ آخر تک برقرار رہی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اس لئے سنت وشریعت کے سانچے میں ڈھلی ڈھلائی شخصیت تھی۔ ان کا ایک مشہور نعتیہ کلام یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

جو مدینہ ہم بھی جاتے تو کچھ اور بات ہوئی
کبھی لوٹ کر نہ آتے تو کچھ اور بات ہوئی

مئے عشق مصطفےٰ ہم یہاں پی کے مست رہتے
سرِ حشر لڑکھڑاتے تو کچھ اور بات ہوتی

مری زیست کے عناصر درِ مصطفےٰ پہ چل کر
مرا ساتھ چھوڑ جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ فروغ علم و دانش، یہ متاع رنگ عالم
یہاں مصطفیٰ نہ آتے تو کچھ اور بات ہوتی

مرے آنسوؤں پہ ناحق نہ ستارو مسکراؤ
یہ جو طیبہ دیکھ پاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ ستاروں کا تبسم ہے نظر نواز لیکن
جو حضور مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی

مجھے زہر دینے والے بڑے کم نظر ہیں آقا
ترے نام پہ پلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ ہوا کے مست جھونکے جو اِرم سے آرہے ہیں
یہی طیبہ ہو کے آتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ جو نعت پاک بیکلؔ سر بزم پڑھ رہے ہیں
کہیں طیبہ میں سُناتے تو کچھ اور بات ہوتی

رازؔ الہ آبادی

سال پیدائش : ۱۹۲۹ء سالِ وفات : ۱۹۹۶ء

نام جابر علی خاں اور تخلص رازؔ۔ الہ آباد کی علمی و ادبی فضا میں ذہنی نشو ونما ہوئی۔ شعری ذوق بلند تھا۔ اس زمانے میں سید شمشاد حسین بڑے استاد شاعر تھے۔ انہیں سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ راز مشاعروں کے کامیاب شاعر تھے۔ بہاریہ اور نعتیہ دونوں مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ سیرت پاک کے جلسوں میں بھی نعت خوانی کی سعادتیں حاصل کرتے۔ اس لئے جلد ہی پورے ہندوستان میں مشہور ہو گئے۔ ''اشک ندامت'' ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

میرے کملی والے کی شان ہی نرالی ہے
دو جہاں کے داتا ہیں اور ہاتھ خالی ہے
خلد جس کو کہتے ہیں اپنی دیکھی بھالی ہے
سبز سبز گنبد ہے اور سبز جالی ہے
چھاؤں مہکی مہکی ہے، دھوپ ٹھنڈی ٹھنڈی ہے
شہر مصطفٰے تیری رات ہی نرالی ہے
ہم گناہگاروں کو رب سے بخشوائیں گے
ان کے رب نے کب ان کی کوئی بات ٹالی ہے
اس کے لاکھ سجدے بھی کام آ نہیں سکتے
عظمت محمد سے قلب جس کا خالی ہے

روز بھیک ملتی ہے اُن کے باب رحمت سے
دامن طلب اپنا کیوں کہوں کہ خالی ہے
چاند کی طرح ان کو ہم کہیں تو مجرم ہیں
کیونکہ ان کی چوکھٹ پہ چاند بھی سوالی ہے
ان کے نام کا طغریٰ بن گیا ہے سونے میں
عاشق محمد کی نیند بھی نرالی ہے
یہ بھی اک توجہ ہے میرے پیر و مرشد کی
رازؔ میری نعتوں کی طرز ہی نرالی ہے

علقمہ شبلی

سال ولادت : ۱۹۳۰ء سال وفات : ۱۳؍اگست ۱۹۱۹ء

اصل نام ابوعلقمہ محمد شبلی، قلمی نام علقمہ شبلیؔ، اسی نام سے ساری زندگی لکھتے اور چھپتے رہے۔ میر غیاث چک ضلع پٹنہ موجودہ ضلع نالندہ کے رہنے والے تھے۔ کلکتہ میں مستقل قیام رہا اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں ہوئی۔ وہاں ان کے والد گرامی مولانا عبدالجبار صاحب مدرس تھے۔ علقمہ شبلی کی شاعری کا آغاز یہیں سے ہوا۔ طبع موزوں پایا تھا۔ اپنے فنی کمالات کا مظاہرہ بڑے خلوص اور پیشہ ورانہ انہماک سے کیا ہے۔

ہندو بیرون ہند شہرت و ناموری حاصل کی۔ کلکتہ کی علمی و ادبی زندگی کی روح رواں بن کر رہے۔ اعزازات سے بھی نوازے گئے۔ ان کی غزلوں اور نظموں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے ''زادِ سفر'' ان کا مجموعۂ کلام ہے۔ جس میں حمدیہ اور نعتیہ رباعیاں ہیں۔ خالص نعتیہ مجموعہ کا نام ''صلوا علیہ و آلہ'' ہے۔ جب تک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی عقیدت و محبت نہیں ہو کوئی نعت وجود میں نہیں آسکتی۔ یہاں اسی مجموعے سے نعت پاک نقل کی جا رہی ہے۔

رسول اکرم، شہ معظم ، قسیم کوثر
زمیں کی رفعت، فلک کی عظمت، حبیب داور
نشان ایماں ، متاع عرفاں، شفیع محشر
سرور جانم، سکون قلبم ، خلوص پیکر
خدا کی نعمت مرے پیمبر

فضائے تیرہ کو روشنی کا شعور بخشا
سروں کو شاہوں کی بندگی کا غرور بخشا
جہانِ مردہ کو زندگی کا سرور بخشا
نبی اعظم کی ہر ادا ہے حیات پرور
متاع رحمت مرے پیمبر

قدم قدم پر روایتوں کے چراغ روشن
نظر نظر میں طہارتوں کے ایاغ روشن
ورق ورق پر ہدایتوں کے سراغ روشن
ذرا یہ دیکھو کمالِ فیض رُخِ منور
شہہ ہدایت مرے پیمبر

جو راہزن تھے، انہیں دیا فرض پاسبانی
جو گلہ باں تھے، ہوئے شناسائے حکم روانی
دیا عرب کو، عجم کا اعجاز خوش بیانی
نہ کیوں ہوں رشک ملک بھی میرے رسول اکبر
جہاں کی عظمت مرے پیمبر

چراغ غارِ حرا سے روشن ہے ساری دنیا
صدائے فاراں سے گونج اُٹھے، جبال وصحرا
ہے فتح مکہ نشانِ روشن حیات نو کا
درِ محمد ﷺ پہ خم ہیں شاہنشہوں کے بھی سر
بنائے حکمت مرے پیمبر

حفیظ بنارسی

سالِ ولادت : ۲۰؍مئی ۱۹۳۳ء　　　سال وفات : ۱۶؍جون ۲۰۰۸ء

۲۵؍محرم الحرام ۱۳۵۲ھ　　　۱۱؍جمادی الآخر ۱۴۲۹ھ

اصل نام محمد عبدالحفیظ، قلمی نام حفیظ بنارسی، والد کا نام قاری عبدالقیوم۔ جائے ولادت محلّہ مدن پورہ، بنارس میں ان کا پورا گھرانہ مذہب کا پابند تھا۔ حفاظ اور عالموں کا گھرانا تھا۔ حفیظ کے والد محترم بنارسی کپڑوں اور بنارسی ساڑیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ حفیظ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ بنارس ہندو یونیورسیٹی سے انگریزی میں ایم۔اے اور بی۔ایڈ کیا۔ مہاراجہ کالج، آرہ، بہار میں انگریزی کے استاد ہوئے۔ ساری زندگی یہیں گزاردی اس لئے آرہ کو اپنا وطن ثانی سمجھتے تھے۔ کئی شعری مجموعے اشاعت پذیر ہوئے۔ ان کے مجموعۂ غزل ''درخشاں'' پر بہار اردو اکادمی نے اور ''قول وقسم'' پر بہار و بنگال اردو اکادمیوں نے انعامات سے نوازا۔ حفیظ شاعروں کے شاعر کی حیثیت سے پورے ملک میں مقبول تھے۔ قدرت نے غضب کا ترنم بخشا تھا۔ پوری محفل پر چھا جاتے تھے۔ مشاعرہ کے سلسلے میں غیر ملکوں کے اسفار کئے۔ ان کی ظاہری شخصیت بھی بڑی دلکش تھی۔ ان کی تمام غزلوں اور نظموں پر مشتمل کلیات سخن بنام ''سفیر شہر دل'' کی اشاعت انتقال سے ایک سال پہلے ہوئی۔ حفیظ بنارسی کا انتقال بنارس میں ہوا اور آبائی قبرستان ریوڑی تالاب بنارس میں مدفون ہوئے۔ اشعار ذیل ان کے ''قصیدۂ نبی رحمت'' سے نقل کئے جارہے ہیں۔ جو فکر وفن کا حسین امتزاج رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اشکوں سے وضو کر کے قلم ہے تر و تازہ
لکھنی ہے اسے مدحتِ سرکارِ دو عالم

والضّحیٰ ترے عارض تاباں کی تجلی
واللیل کی تعبیر ترا گیسوئے پُر خم
رعنائی رفتار میں تسنیم کی موجیں
شیرینیٔ گفتار ہے فردوس کی شبنم
ہر دشت میں پھیلی ہے ترے پیار کی خوشبو
ہر ایک ختن میں ہے غزالوں کا ترے رَم
مہتاب ترے سامنے کشکول گدائی
اے روشنیٔ غارِ حرا، رونق عالم
اللہ رے یہ غلغلۂ آمد مسعود
دیں اسم محمد ﷺ کی سند عیسیٰ مریم
بخشندہ خداوند ہے، تو بانٹنے والا
دینار کا ارماں نہ تجھے حسرتِ درہم
پیغمبر ذی شان بشیـــــراً و نـــذیـــــراً
آیات مقدس تری صورت سے مترجم
جس نے تجھے دعوت دی سر عرش معلیٰ
کون اس کے علاوہ ترے اعزاز کا محرم
یہ جلوہ گہہ ارض و سما تیرے لئے ہے
لولاک لما ہے تری تفضیل کا پرچم
اس کار مقدس میں خدا خود بھی ہے شامل
آتی ہے درودوں کی صدا عرش سے پیہم

مومن کے لئے شرط ترا عشق حقیقی
ایمان کی بنیاد ترے عشق سے محکم
جو تری اطاعت کرے وہ لائق جنت
باغی جو ترا ہے وہ سزاوار جہنم

اجملؔ سلطان پوری

سال پیدائش : ۱۹۳۵ء   سالِ وفات : ۲۰۲۰ء

نام مرزا محمد اجمل بیگ، تخلص اجملؔ، قلمی نام اجمل سلطان پوری، موضع برکھہ پور تحصیل و ضلع سلطان پور، اتر پردیش، میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مرزا عابد حسین۔ چار سال کی عمر میں ہی شفقت پدری سے محروم ہو گئے اس لئے اعلیٰ تعلیم تو نہیں حاصل کر سکے۔ لیکن ابتدائی تعلیم ٹھوس بنیادوں پر ہوئی۔ شعر گوئی کا زبردست ملکہ تھا۔ اور اپنی تمام تر تخلیقی صلاحیتوں کو انہوں نے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیا۔ اور مدت العصر نعت ہی کہتے رہے۔ اس کا یہ صلہ ملا کہ زمانے نے پلکوں پر رکھا۔ پورے ملک میں خوب خوب پذیرائی ہوئی۔ قدرت نے ان کی آواز میں بڑی روح اور نغمگی عطا فرمائی تھی۔ اس لئے اپنے دلکش ترنم کی بدولت بھی ایک زبردست محبّ رسول کی حیثیت سے پورے ملک میں مشہور و مقبول ہوئے۔ نعتیہ کلام پر مشتمل ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ جیسے مہمان عرش، دربار حرم، پرچم نور، روح تبسم جذبات اجمل اور نغمات اجمل وغیرہ ان کی تمام نعتوں سے عشق رسول کے چشمے اُبلتے ہیں روح وجد کرنے لگتی ہے اور ایک باذوق ناظر یا سامع کی تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو باغ فردوس میں محسوس کرتا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

زیر سایۂ گنبد رات کا بسیرا ہے
اور سنہری جالی سے رونما سویرا ہے
جا بہ جا مدینے میں حاجیوں کا ڈیرا ہے
مصطفٰے کے کوچے میں سائلوں کا پھیرا ہے

کتنی خلد منظر ہے رات یہ مدینے کی
اِک ذرا اُجالا ہے ، اک ذرا اندھیرا ہے

مری خوش نصیبی پر رشک آئے رضواں کو
مصطفےٰ اگر کہہ دیں یہ غلام میرا ہے

طائروں کے جھُرمٹ میں وہ کلس کا نظارہ
شمع کو پتنگوں نے ہر طرف سے گھیرا ہے

رات بھی مدینے کی دن سے کم نہیں اجملؔ
شام بھی مدینے کی خوشنما سویرا ہے

پروفیسر نجم الہدیٰ

سالِ ولادت : ۱۹۳۷ء حی القائم

نام نجم الہدیٰ، والد گرامی کا نام نورالہدیٰ ضبط، ان کی پیدائش موتی ہاری میں اپنے نانا جان خان بہادر محمد جان ایڈوکیٹ کے گھر میں ہوئی۔ ان کی بسم اللہ ان کی والدہ ماجدہ نے کرائی۔ پھر مختلف اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان ضلع اسکول بھاگل پور سے پاس کیا۔ اس کے بعد مختلف یونیورسٹیوں سے ایم۔ اے۔ اردو اور ایم۔ اے۔ فارسی اور پی ایچ۔ ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ ملت کالج دربھنگہ میں لکچرر بحال ہوئے۔ اس کے بعد کمیشن سے ایل۔ ایس۔ کالج، مظفر پور آئے۔ ۱۹۷۷ء میں ریڈر کی حیثیت سے مدراس یونیورسیٹی، مدراس چلے گئے۔ وہاں اردو، فارسی اور عربی شعبۂ صدر کی حیثیت سے بارہ برسوں تک اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دئے۔ اور وہیں ۱۹۸۳ء میں پروفیسر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد پھر بہار یونیورسیٹی، مظفر پور میں پروفیسر منتخب ہوئے، صدر شعبۂ کی حیثیت سے ذمے داریاں نبھاتے ہوئے ۱۹۹۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ عمر کی نویں دہائی میں پہنچ چکے ہیں۔ مگر تخلیقی شعور اب بھی تموج پر ہے۔ ان کا ادبی ذوق اپنے والد محترم کے زیر تربیت ہی پروان چڑھا۔ اردو نثر و نظم دونوں پر استادانہ دسترس حاصل ہے۔ اصناف ادب میں تنقید، تحقیق اور شاعری سے فطری مناسبت ہے۔ تنقید کے موضوع پر ان کی پہلی گراں مایہ تصنیف ''فن تنقید اور تنقیدی مضامین'' کے نام سے آئی۔ پھر تو نصف درجن کتابیں تحقیق وتنقید کے موضوعات پر آ گئیں۔ وہ ایک قادرالکلام اور پرگو شاعر بھی ہیں غزل و نظم ونعت سے زیادہ دلچسپی ہے۔ ان کی نعت گوئی کا نمونہ یہ ہے ؎

جس کے دل میں کھلے سرکار کی مدحت کا گلاب
اس کے لب پر بھی ہو لفظوں کی حلاوت کا گلاب
دہر میں روضۂ آقا جو ہے رحمت کا گلاب
خاک طیبہ کا ہر اک ذرہ ہے جنت کا گلاب
باد صرصر بنے کوئی کہ خزاں کا ہو روپ
تازہ ہر دور میں ہے شاہ کی عظمت کا گلاب
حشر میں آپ کہیں ''دامن رحمت میں آ''
بس اسی دم مرے دل میں کھلے بہجت کا گلاب
دیکھنا سرور عالم کا مقام محمود
خلد میں جائیں گے ہم لے کے شفاعت کا گلاب
سب مطہر ہیں مطہر کے گھرانے والے
جس کے گھر میں کھلا تطہیر کی آیت کا گلاب
نعت سرکار سے سرسبز ہوئی طرز جدید
کھل گیا ہر چمن شعر میں جدت کا گلاب
نجم جو ان کے غلاموں کا ہے اِک ادنیٰ غلام
اس کے دل میں ہے نہاں ان کی عنایت کا گلاب

علامہ شبنم کمالی

سالِ ولادت : ۱۹۳۸ء   سال وفات : ۲۰۰۴ء

نام مصطفیٰ رضا، تخلص شبنم کمالی روحانی نسبت حضرت پیرحمداللہ کمال الدین رحمۃ اللہ کی طرف۔ والد کا نام مولوی حسن رضا کمالی ہے۔ مولد و مسکن و مدفن موضع پوکھریرا ضلع سیتا مڑھی، ابتدائی تعلیم والد کے زیر سایہ ہوئی۔ تکمیل تعلیم مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ سے کی۔ فاضل حدیث و فاضل فارسی کے امتحان امتیازات سے پاس کیا۔ میٹرک کے امتحان میں بھی شاندار کامیابی حاصل کی۔ ایک جید عالم دین، مدرس، مقرر، مصنف شاعر اور سیرت نگار کی حیثیت سے ہند گیر شہرت پائی۔ بڑے بافیض استاد تھے۔ ہزاروں تلامذہ پیدا کئے۔ جن میں درجنوں ایسے اصحاب قلم بھی ہیں جو شعر و ادب کی دنیا میں اپنے بلند کارناموں کی بدولت روشناس خلق ہیں۔ علامہ مرحوم نے بحیثیت شاعر غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ اصناف سخن میں غزل، نظم نعت اور ادب اطفال کو بہت مایہ دار بنایا۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ ''نوائے دل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اور نعتوں کے نصف درجن مجموعے منظر عام پر آئے سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی شاندار تصنیف ''آئینۂ جمال مصطفیٰ'' کی دو ضخیم جلدیں موجود ہیں۔ لیکن ان کی بنیادی حیثیت ایک نعت گو اور نعت خواں کی ہے۔ قدرت نے خوب صورت اور خوب سیرت تو بنایا تھا۔ ترنم بھی اتنا دلکش و مسحور تھا کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی کا عالم تھا۔ نعتیہ اور بہاریہ دونوں مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور محفل پر چھا جاتے تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

آؤ مرے پاس آؤ، سرکار ندا دیں گے
جب خون کے رشتے بھی، رشتوں کو بھلا دیں گے

محشر میں قیامت کا احساس مٹا دیں گے
جب اپنی تجلی میں سرکار نہا دیں گے

ہم جیسے فقیروں کو کافی ہے در والا
دینا ہے ہمیں جو بھی محبوب خدا دیں گے

ہو جائے گا عصیاں کے دفتر کا ورق سادہ
جب یادِ نبی میں ہم دو اشک بہا دیں گے

سرکار کے قدموں کا بوسہ ہمیں لینے دو
جلدی ہے نکیرو کیا، ہر بات بتا دیں گے

محبوب کی امت کو اب پل سے گزرنا ہے
جبریل سے کہہ دینا ، پر اپنے بچھا دیں گے

سرکار کے دیوانے تیزی سے گزر جائیں
ٹھہریں گے اگر پل پر، دوزخ کو بجھا دیں گے

اِک جلوۂ زیبا میں کھو جائیں گے سب جلوے
گر رُخ سے نقاب اپنے سرکار اٹھا دیں گے

کیا لائے ہو سرمایہ پوچھا جو گیا شبنم
محشر میں شہہ دیں کی ہم نعت سنا دیں گے

ظہیر غازی پوری

سال ولادت : ۱۹۳۸ء　　　　سالِ وفات : ۲۰۱۶ء

اصل نام ظہیر عالم انصاری، قلمی نام ظہیر غازی پوری والد کا نام حاجی عبدالحئ انصاری مرحوم غازی پور، یو۔پی، کے رہنے والے تھے۔ بسلسلۂ ملازمت ہزاری باغ آ گئے اور یہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ محلّہ ہاشمیہ کالونی، پگمل میں رہائش گاہ ہے۔

بی۔اے، تک تعلیم حاصل کی ۱۹۵۵ء سے شاعری شروع کی۔ پہلا مجموعۂ کلام ''تثلیث فن'' کے نام سے ۱۹۷۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ ظہیر صاحب ایک بلند پایہ ناقد بھی تھے۔ نقوش و نکات، جدیدیت کا تنقیدی مطالعہ، ایک سفر آزاد غزل سے آزاد غزل تک ان کی کئی تنقیدی تصانیف ہیں۔ ظہیر صاحب پر کئی رسائل و جرائد نے خصوصی نمبر بھی شائع کئے۔ اصناف سخن میں غزل و رباعی اور نعت گوئی سے خاص تعلق رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی لگاؤ تھا۔ اس لئے عشق رسول میں ڈوب کر نعتیں کہتے تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

وہ سانحہ گزرے کبھی دل پر ترو تازہ
نظروں میں رہے طیبہ کا منظر ترو تازہ

سب چہرے ہوئے برگ خزاں دہر میں لیکن
اب تک ہے نبی کا رخ انور ترو تازہ

جو نعت نبی کے لئے قرآن میں آئے
صدیوں سے ہیں وہ لفظ منور تروتازہ

اب تشنہ لبی کا نہ کرے گا کوئی شکوہ
زمزم ہے کہیں تو کہیں کوثر تروتازہ

موجود ہیں یوں آپ کی یادیں مرے دل میں
گلزار میں جیسے ہوں گل تر تروتازہ

رحمت سے اُگا دیجئے اب دل پہ ہمارے
وہ ڈوب کے جس سے رہے پتھر تروتازہ

پھولوں کی طرح مہکے مری کشتِ نوا میں
بس آپ ہی کا روضۂ اطہر تروتازہ

سید وحیدؔ اشرف کچھوچھوی

سال پیدائش : ۱۹۳۹ء حی القائم

نام سید وحید اشرف، تخلص وحیدؔ، والد گرامی کا نام سید قدیر اشرف ہندوستان کے مشہور علمی و روحانی خانوادے کچھوچھہ شریف سے تعلق ہے۔ اردو و فارسی کے نامور استاد، جید شاعر، بلند پایہ مصنف، صوفی با صفا، اور پیر طریقت کی حیثیتوں میں روشناسِ خلق ہیں۔ مدراس یونیورسٹی میں شعبۂ عربی، فارسی اور اردو کے صدر کی حیثیت سے عرصہ دراز تک خدمات انجام دے چکے ہیں۔ متقاعد ہونے کے بعد گجرات کے شہر بڑودہ میں مستقل قیام ہے، پڑھنے اور پڑھانے کا سلسلہ جاری ہے۔ اردو رباعی آپ کا خاص میدان ہے۔ کئی حصوں میں رباعیات پر کام کیا ہے اور نعتیہ شاعری تو ان کے خانوادہ کا تشخص ہے۔ علم تصوف اور شاعری کی تثلیث آپ کو ورثہ میں ملی ہے اور عشق رسول کی وہ حرارت جو آپ کے بزرگوں میں موجود تھی وہ آپ کے دل میں بھی روشنی اور گرمی عطا کر گئی۔ جس کا نتیجہ ان کی نعتوں کا مجموعہ ''تجلیات'' ہے۔ جس کا ایک ایک شعر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔ ذیل میں ''تجلیات'' سے ایک نعت نقل کی جا رہی ہے۔

یہ ہے سرزمین طیبہ، یہاں دل ذرا سنبھل کے
یہاں سانس لینا ہلکی، یہاں پاؤں رکھنا ہلکے

جو درِ حضور پہنچا تو زباں میں تھا نہ یارا
مرے دل کے ولولے سب، مرے آنسوؤں میں ڈھلکے

یہ ہے مرے دل کی حسرت کہ ہو کاش ایسا یارب
کہ در حضور پہنچوں میں زمیں پہ سر سے چل کے

یہ نہ پوچھو میں نے کیسے کیا حاجیوں کو رخصت
انہیں دیکھتا رہا میں ، رہا دل مچل مچل کے

تو صبا اڑا کے لے جا یہ مدینہ جو بہا ہے
مرے آنسوؤں کے ہمرہ، مرا دل پگھل پگھل کے

مرے دفتر عمل کو تو نہ دیکھ یا الٰہی
مرا دل ہے راکھ جل کے، یہ جگر ہے خوں پگھل کے

یہ ہے سچ فنا کرے گی اجل ایک بار ہستی
میں نکالتا ہوں کس بل کئی بار روز اجل کے

نہ تھا ضبط غم کا یارا کہ وحیدؔ کو جو دیکھا
یہ تھے اس کے خوں کے قطرے کہ جو آنکھ سے ہیں چھلکے

پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ

سالِ ولادت : ۱۹۴۰ء حی القایم

اصل نام عبدالمنان ،طرزیؔ تخلص والد گرامی کا نام حافظ قاری محمد داؤد، تخلص طالب دربھنگوی آبائی گاؤں موضع جلوارہ ضلع دربھنگہ ہے۔ تعلیمی لیاقت کے اعتبار سے طرزیؔ حافظ قرآن ہیں اور ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی بھی۔ بڑی سیدھی سادی اور منکسرالمزاج طبیعت پائی ہے۔ ملازمتی زندگی کا آغاز دربھنگہ میڈیکل کالج میں کلرکی سے ہوا۔ پھر ایک کالج میں لکچرر بحال ہوئے۔ متھلا یونیورسیٹی کے شعبۂ اُردو سے بحیثیت پروفیسر ریٹائرڈ ہوئے۔ ابھی مستقل قیام دربھنگہ محلّہ خاں صاحب کی ڈیوڑھی میں ہے۔ شعری ذوق عطیہ خداوندی ہے۔ اور والد محترم سے ورثہ میں ملا ہے۔ غزل گوئی سے آغاز سخن کیا۔ پہلا مجموعہ غزل ''لکیر'' کے نام سے شائع ہوا۔ نعت گوئی سے بھی قلبی اور روحانی لگاؤ ہے۔ اس لئے کئی نعتیہ مجموعے اشاعت پذیر ہوئے۔ دربھنگہ کی منظوم تاریخ ''رفتگاں و قائماں'' کے نام سے لکھی۔ جس کو آفاقی شہرت حاصل ہوئی۔ اس کی مقبولیت کے بہت ہی بعد معروف شاعروں اور ادیبوں کے منظوم تذکرے لکھنا شروع کیا۔ مشاہیر ادب میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر وہاب اشرفی، حامدی کاشمیری اور مظہر امام کے منظوم ''تذکرے تاریخ ادب اردو'' کا اہم حصہ ہیں۔ نعتیہ شاعری میں ''طلع البدر علینا'' اور ''سیرت الرسول'' جیسی وقیع کتابیں شائع ہوئیں۔ عمر کی نویں دہائی سے گزر رہے ہیں مگر جسمانی اور ذہنی طور پر بالکل تازہ دم ہیں اور تخلیقی شعور بھی تموج پر ہے۔ یہاں ان کی ایک نعت ''طلع البدر علینا'' سے پیش کی جارہی ہے ۔

کوئی آرزو نہیں ہے، کوئی مدعا نہیں ہے
میں غلام مصطفےٰ ہوں مرے پاس کیا نہیں ہے
بلا شبہ تو بشر ہے، تو کبھی خدا نہیں ہے
کوئی کیا بتائے لیکن تو کیا ہے کیا نہیں ہے
ہے خدائے پاک معطی ، ہے تو ہی قسیم نعت
ترے در سے ہاتھ خالی کوئی لوٹتا نہیں ہے
کوئی ہے جو دشمنوں کو دے قبائیں اور دعائیں
تری رحمتوں کی آقا کوئی انتہا نہیں ہے
وہ کہاں سے پائے منزل، جو نہ آئے تیرے در تک
وہ خدا کا بھی نہ ہوگا، جو رسول کا نہیں ہے
یہ فلک یہ ماہ تاباں ، یہ کواکب درخشاں
ترے نور حق نما سے کِسے کیا ملا نہیں ہے
یہ عروج ماہِ اسریٰ یہ شکو سیر ادنیٰ
تری طرح لامکاں تک تو کوئی گیا نہیں ہے
نہ یہاں کی کامیابی نہ وہاں کی کامیابی
جو دل و نگہ کا مرکز ترا نقش پا نہیں ہے
وہی زندگی سنوارے وہی عاقبت بنائے
ترے راستے سے ہٹ کر کوئی راستہ نہیں ہے
ابھی دعوئ محبت نہیں معتبر ہے طرزؔی
ترا خون دل بھی آنسو ابھی بن سکا نہیں ہے

پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ

سال ولادت : ۱۹۴۱ء

اصل نام سید محمد طلحہ رضوی، تخلص برقؔ، والد محترم کا نام، سید شاہ محمد قائم رضوی، وطن شاہ ٹولی، داناپور پٹنہ، دینی تعلیم والد گرامی کے زیر تربیت ہوئی۔ عصری علوم میں پٹنہ یونیورسیٹی سے اردو و فارسی میں ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی اور ڈی۔لِٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ گویا آپ کی شخصیت دینی وعصری علوم کی سنگم ہے۔ اسلامیات کے ممتاز اسکالر ایک معروف شاعراورممتاز دانشور کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائی، نثر ونظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں چشم گریاں اور دل بریاں رکھتے ہیں۔ اس لئے اردو کی نعتیہ شعری، کتاب لکھ کرار دو دنیا میں شہرت ومقبولیت حاصل کی۔ ان کی اور بھی درجنوں تصانیف ہیں۔ لیکن سر دست ان کی فقط شاعرانہ حیثیت زیر قلم ہے۔ تمام اصناف سخن میں ان کی فتوحات موجود ہیں۔ سیمیناروں اور مشاعروں کی بھی زینت بنتے رہتے ہیں۔ بہت ہی قادرالکلام اور پر گوشاعر ہیں۔ غزلیں اور نظمیں بھی کہی ہیں۔ لیکن صنف رباعی میں زیادہ نام پیدا کیا۔ عمر کی نویں دہائی میں پہنچ چکے ہیں۔ لیکن ان کا تخلیقی سفراب بھی جاری ہے۔ ان کی سینکڑوں نعتوں میں سے انتخاب کردہ ایک نعت یہاں پیش کی جارہی ہے۔

ہے بہار سرمدی ، ختم رسالت کا گلاب
وجہ تکوین دو عالم ، سرِ وحدت کا گلاب
گلشن شعر وادب میں ،شاخ طوبیٰ ہے قلم
کھل رہا ہے جس سے ہر دم نعت ومدحت کا گلاب

جسم اطہر کا پسینہ ، خوشبوئے باغ جناں
غیر ممکن ہے کھلے اب ایسی نکہت کا گلاب

غنچۂ مضمون نعت آتا ہے مجھ کو غیب سے
کیا کوئی اس کو کہے گا، اپنی محنت کا گلاب

آئیہ **اعطینا ک الکوثر** کی برکت دیکھئے
ہے کھلا ہر سو جناں میں اُن کی عترت کا گلاب

اے خوشا عشق نبی، زر خیز ہے کشت سخن
کس قدر شاداب تر ہے ان کی عظمت کا گلاب

زندگی بخش ازل کے نور سے روشن ہے قبر
حشر کے دن تک رہے گا، تازہ تربت کا گلاب

داعیٔ اسلام امن و آشتی کے ہیں نقیب
ہے نشانِ مہر و الفت ، اپنی طاقت کا گلاب

برقؔ ورثہ میں ملی ہے مجھ کو وہ کلک قتیلؔ
سر قلم ہو کے کھلائے گا شجاعت کا گلاب

علیم صبا نویدی

سال ولادت : ۱۹۴۲ء حی القائم

نام علیم صبا نویدی، والد محترم کا نام سید غوث پاشا حسین القادری ہے۔ تامل ناڈو (مدراس) کے ضلع شمالی آرکاٹ کے قصبہ امور میں پیدا ہوئے۔ دادیہال اور نانیہال دونوں عرفان وتصوف کا گہوارہ رہا ہے۔ یعنی صوفیانہ مزاج ومیلان صبا نویدی کو ورثہ میں ملا ہے۔ اس لئے وہ حددرجہ منکسرالمزاج، شریف النفس اور پیکر محبت ومروت ہیں۔ شعری وادبی ذوق والد مرحوم کی صحبت میں ارتقاء پذیر ہوا۔ گویا مکتب کی کرامت اور فیضان نظر دونوں سے بہرہ یاب ہوئے۔ شعری سفر غزل گوئی سے شروع ہوا۔ پھر نعت اور دیگر شعری اصناف میں فنی کمالات کا مظاہرہ کیا۔ اور نثر نگاری پر بھی دسترس حاصل ہے۔ اس لئے نظم و نثر میں تین درجن کے قریب ان کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد پہنچتی ہے۔ انہوں نے سانیٹ اور ہائیکو جیسی جدید اصناف میں بھی کامیاب شعری تجربے کئے ہیں۔ رسول گرامی وقار سے قلبی لگاؤ تو بچپن سے ہے۔ یہ کچھ نہ کہتے صرف نعتیں کہتے تو بھی دنیائے شعروادب میں ان کی اہم شناخت ہوتی۔ حق یہ ہے علیم صبا نویدی پوری اردو دنیا میں مشہور ومحترم ہیں۔

یہاں ان کی نعت پاک برنگ غزل پیش کی جارہی ہے ؎

زندگی جب سے ہوئی ہے آشنائے مصطفےٰ
ہوگیا ہوں میں سراپا اِک گدائے مصطفےٰ

کس کی خاطر عالم امکاں کا ہے یہ اہتمام
ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہے برائے مصطفےٰ

تیرگی کی بھیڑ سے باہر نکلنا ہے مجھے
میرے آگے ضو فشاں ہے نقش پائے مصطفےٰ

اِک نہ اِک طوفان سے ہر روز اِک مُڈبھیڑ ہے
تھامنے کو اپنا دامن روز آئے مصطفےٰ

مسجد و منبر میں اس کو قید کیوں کرتے ہیں لوگ
گونجتی ہے دونوں عالم میں صدائے مصطفےٰ

میری اپنی پتلیاں ان پتلیوں میں ڈوب جائیں
زیر لب جن پتلیوں میں مسکرائے مصطفےٰ

بعد رحلت بھی صباؔ کو آپ سے امید ہے
کون ہوگا حشر میں اس کا سوائے مصطفےٰ

متینؔ عمادی

سالِ ولادت : ۲۸؍فروری ۱۹۴۲ء وفات : ۲۰۲۰ء

اصل نام متین الحق، قلمی نام متین عمادی، والد گرامی کا نام سید شاہ صبیح الحق عمادی۔ پٹنہ سیٹی منگل تالاب اُن کا موروثی مکان ہے۔ وہیں ایک قدیم خانقاہ بھی ہے۔ اسی خانوادۂ محترم سے اُن کا تعلق ہے۔ شاعری ورثہ میں ملی ہے۔ والد صاحب خود بھی صاحب دیوان شاعر تھے۔ متینؔ عمادی اردو شعر ونثر دونوں پر دسترس رکھتے ہیں۔ نصف درجن مطبوعات کے مالک ہیں۔ لہجے کی شناسائی آپ کا مجموعہ کلام ہے۔ اور ''مری آنکھیں اٹھا لیتی ہیں اس کو'' انشائیوں کا مجموعہ ہے۔ نعت گوئی سے فطری لگاؤ ہے۔ ابھی حال ہی میں ان کی نعتوں کا مجموعہ ''گلشن عقیدت'' کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔ جس میں نعت کے علاوہ منقبت، سلام، مرثیہ اور نوحہ بھی ہیں۔ متینؔ عمادی مشاعروں کے بھی شاعر رہے ہیں۔ اس کی بدولت ان کی شہرت شہر عظیم آباد کے باہر بھی پھیلی ہوئی ہے۔ درج ذیل نعت پاک گلشن عقیدت سے ماخوذ ہے۔ زبان و بیان دونوں میں بڑی سلاست و شگفتگی ہے۔ اور ہر شعر سے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندنی چھٹکی نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

(نوٹ : یہ مجموعۂ نعت زیر اشاعت تھا کہ ان کا انتقال پر ملال ہو گیا۔)

کشت سخن میں کھلتے ہیں نعت نبی کے پھول
ان کے حضور پیش ہیں یہ عاشقی کے پھول
تجھ کو کھڑا کیا ہے مقام بلند پر
اللہ نے کھلائے تری رہبری کے پھول

جن کے طفیل آیۂ تطہیر آئی ہے
وہ روشنی کے پھول ہیں، وہ روشنی کے پھول

میری بساط کیا؟ کہ ہو مدح رسول پاک
آقا قبول کیجئے یہ بندگی کے پھول

چادر میں اپنی جن کو بٹھایا رسول نے
پاکیزگی لئے تھے عجب، دلکشی کے پھول

ہم کو بھی اس چمن سے محبت ہے اے خدا
حسّان نے کھلائے جہاں شاعری کے پھول

سیرت تیری ، حدیث تیری، درس زندگی
مرجھائیں گے کبھی نہ تری رہبری کے پھول

یہ نعت گوئی ایک عبادت ہے اے متینؔ
محشر میں کام آئیں گے یہ بندگی کے پھول

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

سال ولادت : ۳۱؍جولائی ۱۹۴۷ء حی القائم

نام فاروق احمد صدیقی۔والد گرامی کا نام مولوی سلیم الحامدی مرحوم ہے۔ جائے پیدائش موضع پوکھریرا ضلع مظفر پور (موجودہ ضلع سیتامڑھی) ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب و مدرسے میں ہوئی۔مزید دینی تعلیم مختلف مدارس میں ہوئی مدرسہ اگزامینیشن بورڈ پٹنہ سے ۱۹۶۴ء میں عالم کا امتحان پاس کیا۔اس سے دوسال پہلے ۱۹۶۲ء میں ضلع اسکول آرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایل۔ایس،کالج ،مظفر پور سے بی۔اے،اردو آنرز اور بہار یونیورسیٹی ،مظفر پور سے اردو ایم۔اے ۔اور فارسی میں ایم۔اے کے امتحانات امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔اردو میں پی ایچ۔ڈی کی سند اسی یونیورسیٹی نے تفویض کی۔اردو شعروشاعری سے تعلق بچپن ہی سے تھا۔اصناف سخن میں نعتیہ شاعری زیادہ محبوب رہی ہے۔ اسی لئے میری شاعری کا آغاز نعت گوئی سے ہوا۔اور یہ ذوق وشوق ہمیشہ ارتقاء پذیر رہا جس کے نتیجے میں نعتیہ مجموعہ ''از ہار مدینہ'' منظر عام پر آیا۔غزلوں کی طرف بعد میں توجہ کی۔ اردو نثر میں تنقیدی ادب سے زیادہ دلچسپی ہے۔اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ شاعری اور تنقید میرے محبوب مشاغل ہیں۔تنقید کے موضوع پر کوئی نصف درجن کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں ''افہام وتفہیم'' اور ''تفہیم و تجزیہ'' کو دنیائے علم و ادب میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔عمر کی آٹھویں دہائی میں ہونے کے باوجود ابھی قرطاس وقلم سے تعلق باقی ہے۔میری مجموعی ادبی خدمات پر اردو کے مشہور وقدیم ماہنامہ ''شاعر'' ممبئی نے دسمبر ۲۰۱۸ء میں ایک خصوصی گوشہ بھی شائع کیا ہے۔ بہار اردو اکیڈمی پٹنہ نے بھی انعامات سے نوازا ہے۔نعتیہ

شاعری اب بھی میری اوّلین ترجیحات میں ہے۔ نعتیہ مجموعہ ''ازہار مدینہ'' سے یہ نعت نقل کی جارہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ کس کی آمد کی برکتوں سے ہوا ہے صحن چمن گلابی
تمام سبزہ ہرا بھرا ہے گلوں کا ہے پیرہن گلابی

بہار عالم ہے روح پرور، زمیں سے تا آسماں منور
ہر ایک دشت وجبل ہے خنداں ہر ایک سرو سمن گلابی

صدائے بدر و اُحد یہی ہے یہی ہے پیغام کربلا کا
شہیدِ اُلفت کا پوچھنا کیا، لحد ہے روشن کفن گلابی

مسافران رہ مدینہ، تجلیوں کے ہجوم میں ہیں
دیار محبوب کے سفر میں ، ہر ایک رنج ومحن گلابی

بہت مقدس، بہت مطہر، بہت منور ہے، ذات ان کی
گر ان کی مدح و ثنا ہو لکھنی تو چاہیے فکر وفن گلابی

بصد ادب استغاثہ اپنا یہ بارگاہ کریم میں ہے
بروز محشر، بحق سرور، ہو مومنوں کا دہن گلابی

ادب کا دریا رواں دواں ہے شعور فاروقؔ کامراں ہے
بہ فیضِ نعت رسول اکرم ہے، اپنی بزم سخن گلابی

ڈاکٹر راہیؔ فدائی

سال ولادت : ۱۹۴۷ء حی القائم

نام ظہیر احمد باقوی، تخلص راہیؔ قلمی نام راہی فدائی۔ والد کا نام جناب یوسف نا یک ضلع کڈپا، اندھرا پردیش میں پیدائش ہوئی۔ موجودہ رہائش بنگلور میں ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت ام المدارس، مدرسہ باقیات الصالحات وِیلور، تامل ناڈو میں ہوئی۔ غزلوں کا پہلا مجموعہ ''فبھا'' اور دوسرا ''اشعار'' کے نام سے شائع ہوا۔ نعتیہ مجموعے کا نام ''ناعت و معنوت'' ہے۔

زبردست عالم اور اہلِ قلم ہیں۔ ان کے علمی و تحقیقی مضامین و مقالات ''معارف'' اعظم گڑھ میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بڑا تحقیقی ذہن پایا ہے۔ جب وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کے تمام متعلقات کا احاطہ کر لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے دنیائے علم و دانش میں ان کی اہم شناخت ہے۔ درج ذیل نعت اُن کی پسند فرمودہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بزم قدسیاں میں بھی وہ تھا خوبرو تنہا
رنگ و بو کے عالم میں حسن رنگ و بو تنہا

وہ ہے شاہد معنی وہ ہے صاحب خانہ
اس سے پردہ کیا، وہ تھا، رب کے روبرو تنہا

دید چہرۂ انور قسمت صحابہ تھی
کی تھی سب رسولوں نے اس کی آرزو تنہا

جسم کے بیاباں میں دشتِ روح امکاں میں
عشق مصطفےٰ آجا راہ مو بہ مو تنہا
قلب گاہِ خلوت میں عقل گاہ جلوت میں
اے کہ جلوۂ جاناں ایک تو ہی تو تنہا
ذات سب سرابوں سے نام بھی ہیں خوابوں سے
تشنہ روح کی خاطر آپ آبجو تنہا
کہکشاں ہو انجم ہو، عرش ہو کہ کرسی ہو
مژدۂ رفعنا ہے اوجِ سر خرو تنہا
کس کو اِذن ہے رب کا کون غم کا دافع ہے
آپ ہی تو ہیں آقا سب کے چارہ گر تنہا
کون ہے شریک اس کا کون ہے مثیل اس کا
کیجئے سخن دانو، ان پہ گفتگو تنہا
آپ کا وسیلہ ہی اپنا مدعا راہی
ہم کبھی نہیں کرتے رب کی جستجو تنہا

مفتی شمیم القادری

سال ولادت: ۱۹۴۷ء   حی القائم

نام شمیم القادری قلمی نام بھی یہی ہے۔ جائے پیدائش قصبہ دامودر پور ضلع مظفر پور والد گرامی کا نام حافظ یاسین مرحوم ہے۔ شمیم صاحب کی جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے فراغت ہوئی۔ شعبہ افتاء میں تخصص پیدا کیا۔ علم و فضل تہذیب و شائستگی اور طہارت و نفاست ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف ہیں۔

بحیثیت شاعر خوش فکر خُوش نوا غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ انہوں نے غزلیں بھی بڑی دلکش اور پر کیف کہی ہیں۔ لیکن نعتیہ شاعری کی بات ہی کچھ اور ہے فکری اور فنی دونوں لحاظ سے بے حد خوبصورت اور روح پرور کلام ہوتا ہے۔ ''افکار شمیم'' کے نام سے ایک نعتیہ مجموعہ منظرِ عام پر آچکا ہے۔ سیرت کے جلسوں اور میلاد پاک کی محفلوں میں جب وہ اپنے انداز خاص میں نعتیں سناتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ع

بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

ان کا قلمی سفر ابھی جاری ہے درج ذیل نعت پاک زبان حال سے شہادت دے رہی ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی اور فدائی ہیں۔ ملاحظہ ہو

تمہارے مُصحفِ رخ کی نظر سے جب تلاوت ہو
رہوں قسمت پہ نازاں ، ناز کرتی مجھ پہ قسمت ہو
مرے آقا مجھے حاصل بس اتنی سی سعادت ہو
تڑپ ہو، سوز ہو، دردِ جگر ہو، تیری چاہت ہو

غریق بحر الفت کو کسی سے کیا شکایت ہو
بلا ہو، قہر ہو، آفت ہو، صدمہ ہو، مصیبت ہو

خیال فکر کی آنکھوں میں ہر دم تیری صورت ہو
نہ دنیا ہو نہ عقبٰی ہو نہ دوزخ ہو نہ جنت ہو

نزع ہو، قبر ہو، محشر ہو، میزان عدالت ہو
نظر جس سمت اُٹھ جائے تری صورت ہی صورت ہو

ابوبکر و عمر عثمان اور حیدر کی طرح ہم میں
صداقت ہو، عدالت ہو، سخاوت ہو، شجاعت ہو

نظر کے سامنے لمحہ بہ لمحہ یارسول اللہ
ترا نقشہ ہو، جلوہ ہو، تیری صورت ہو، سیرت ہو

بدل دے گا نظام ہر دو عالم آن واحد میں
شہ کونین جس پر آپ کی نظر عنایت ہو

حضوری کی تمنا ہے شمیؔم القادری کو بھی
تیرے قدموں میں آپہنچے، اگر تیری اجازت ہو

ڈاکٹر محمد علی آثر

سال ولادت : ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء حی القائم

نام محمد علی، تخلص آثر والد کا نام شیخ محبوب حسین۔ محبوب چوک حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مکمل تعلیم حیدرآباد کے مختلف کالجوں میں ہوئی۔ ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کالج میں لکچرار ہوئے۔ تحریر و تصنیف میں بہت نام پیدا کیا۔ آثر بنیادی طور پر ایک ناقد و محقق ہیں۔ انہوں نے دکنیات پر خصوصی توجہ کی ہے۔ ''نوادرات تحقیق''، آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی تصانیف ہیں۔ لیکن بحیثیت شاعر نعت گوئی میں انہوں نے جن فنی کمالات کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ''درود تم پر سلام تم پر'' کی ردیف میں ان کا نعتیہ کلام بے حد مقبول ہوا۔ ہر شعر زبان حال سے گویا ہے کہ یہ روایتی اور رسمی کلام نہیں ہے۔ اس میں شاعر نے عشق رسول میں ڈوب کر با دیدۂ نم جو کچھ کہا ہے۔ اس کی صحیح داد روح القدس ہی سے مل سکتی ہے۔ حروف تہجی کے قاعدہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم ذات کا عدد ۹۲ر آتا ہے۔ چنانچہ اس طویل نعت میں ۹۲ر اشعار ہیں۔ جن کو فنی و ادبی لحاظ سے درّ آبدار ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی چمک دمک سے آپ بھی اپنے دیدہ و دل کو منور کریں۔

تمہیں ہو ہر اِک جہاں کے سرور، درود تم پر سلام تم پر
تمہیں ہو آقا شفیعِ محشر، درود تم پر سلام تم پر

خدا، فرشتے، حضور تم پر، صلوٰۃ و تسلیم بھیجتے ہیں
یہ حکم ہم کو بھی ہے سراسر، درود تم پر سلام تم پر

خلیل نے جس کی کی ہے مدحت، مسیح نے جس کی دی بشارت
تمہیں ہو وہ آخری پیمبر ، درود تم پر سلام تم پر

تمہاری خاطر بسی یہ دنیا، تمہارے دم سے ہے بزمِ عقبیٰ
ہر ایک منظر تمہارا منظر، درود تم پر سلام تم پر

تمہیں ہو محمود تم محمد، تمہیں ہو طٰہٰ تمہیں ہو احمد
تمہیں ہو دینِ مبیں کے محور ، درود تم پر سلام تم پر

رؤف ہو تم رحیم ہو تم، کریم ابنِ کریم ہو تم
نسب میں عالی شرف میں برتر ، درود تم پر سلام تم پر

بشیر بھی ہو نذیر بھی ہو، تمہیں سراجِ منیر بھی ہو
تمہیں ہو طاہر تمہیں مطہّر ، درود تم پر سلام تم پر

تمہیں ہو قاسم تمہیں ہو خاتم، تمہیں ہو یٰس تمہیں ہو طٰس
تمہیں ہو محبوب ربِّ اکبر ، درود تم پر سلام تم پر

تمہارا ہے اسم اسمِ اعظم، بہت مکرم بہت معظم
جو لب پہ آئے بنے مقدر ، درود تم پر سلام تم پر

تمہارا پیکر ہے نور پیکر ، اسی لئے تو حضور انور
تمہارا سایہ نہ تھا کہیں پر ، درود تم پر سلام تم پر

کھلی ہوئی جو کتابِ حق ہے، لباس نوری میں ہر ورق ہے
ورق ورق پر ہو تم منور ، درود تم پر سلام تم پر

نظر میں سب کی ببول ہیں ہم، بہت فسردہ ملول ہیں ہم
کبھی تو برسیں گے پھول ہم پر ، درود تم پر سلام تم پر

مری نظر کی ہے آخری حد، سنہری جالی وہ سبز گنبد
فلک جسے چومتا ہے جھک کر ، درود تم پر سلام تم پر

یہ آرزو ہے مدینہ جاؤں ،تمہارے روضے پہ سر جھکاؤں
وہاں سے آؤں نہ پھر پلٹ کر ، درود تم پر سلام تم پر

تمہاری مدحت سے میرے آقا، میرے تخیل میں ہے اُجالا
وگرنہ پہلے تھی فکر بنجر ، درود تم پر سلام تم پر

ہے مرضیٔ حق بیاں تمہارا، خدا ہے خود مدح خواں تمہارا
تمہاری مدحت ہو ہم سے کیوں کر ، درود تم پر سلام تم پر

آثر تمہارا ہے ایک خادم، ہے معصیت پر وہ اپنی نادم
ہو اِک کرم کی نگاہ اس پر ، درود تم پر سلام تم پر

متینؔ اچل پوری

سال پیدائش : ۱۸؍جنوری ۱۹۵۰ء حی القائم

نام محمد متین، قلمی نام متین اچل پوری، والد کا نام شیخ محمد ،اچل پور، ضلع امراؤتی ، مہاراشٹر میں ہے۔اس نسبت سے متین اچل پوری لکھتے ہیں۔مکرم منزل ، مقابل میونسپل اردو پرائمری اسکول، اچل پور، ضلع امراؤتی ان کا مکمل پتہ ہے۔ایم۔اے، تک کی عصری تعلیم انہوں نے حاصل کی۔فکر سخن کی وہبی صلاحیت ہے اس لئے مختلف موضوعات پر ان کا شعری سرمایہ بہت ہی گراں قدر ہے۔بچوں کے ادیب کی حیثیت سے وہ زیادہ روشناس ہیں۔قلم کے موتی، اور ننھے من گیت، بچوں کے لئے ان کی کہی ہوئی نظموں کے مجموعے ہیں مختلف اکادمیوں سے انعام یافتہ بھی ہیں۔''تجلی زار'' ان کی غزلوں کا خوبصورت مجموعہ ہے۔مذہبی فکر کے آدمی ہیں۔سیرت طیبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی گہری نظر ہے۔حضور پاک کی شان اقدس میں سوز و نکہت میں ڈوبا ہوا ایک قصیدہ لکھا ہے۔نام ہے قصیدہ رحمت للعالمین فکر و مواد اور زبان و بیان دونوں لحاظ سے بہت ہی دلکش اور پر کیف ہے۔قصید کے اجزائے ترکیبی تشبیب، گریز، مدح اور دعائیہ سے یہ قصیدہ آراستہ ہے۔پر شکوہ الفاظ، لہجے کی بلند آہنگی اور عمدہ استعاراتی نظام ملاحظہ فرمائیں ؎

صداقت آپ کا پہلا سبق ہے
نبوت آپ کی پہلی نشانی
رخ انور تھا فخر ماہ کامل
حیا رشک نجوم آسانی

وہ دل افروز پیشانی کی جگ مگ
وہ یاقوتی لبوں کی گل فشانی
وہ رشک ابر رحمت کالی کملی
تصدق جس پہ چادر کامرانی
منور اشک جگنو خلد کا ہے
معطر زلف گویا رات رانی
مدھر مسکان تھی پونم کی ٹھنڈک
کہ سانچے موتیوں کی ضو فشانی
زمانے بھر نے سیکھی آپ ہی سے
گلستان جہاں کی قدر دانی
صفا، مروہ، حرا، معراج ، ہجرت
کرم، رحمت ، عنایت مہربانی
حدیبیہ، مدینہ، بدر ، خندق
فقیری، دستگیری، جانفشانی
اُحد کا زخم ہو کہ فتح مکہ
بہر صورت خدا کی ترجمانی
سپہ سالار، تاجر ، عبدِ مصلح
تصدق آپ پر شاہِ زمانی
معلم، دوست، بیٹا، باپ، شوہر
بہر صورت مثالی زندگانی
نہایت کرب سے مانگی ہیں کس نے
دعائیں وہ بھی اشکوں کی زبانی

بنا مہتاب کوثر کا کٹورا
پڑا جب پر تو شاہ زمانی
فدا ہو نے لگیں کوثر کی موجیں
نظارہ کرتا تھا، اُٹھ اُٹھ کے پانی
تصدق آپ پر سوزِ الٰہی
عجوبہ سی خدا کی مہربانی
تجلی میں تھا گم عکس تجلی
بس اب قاصر ہیں الفاظ و معانی

مولانا اشتیاق عالم ضیاؔء بھاگلپوری

سال ولادت :۲۱ جنوری ۱۹۵۲ء سال وفات : ۵ مئی ۲۰۱۱ء

نام محمد اشتیاق عالم، تخلص ضیاء، والد گرامی کا نام سید صفی القاسم ملا چک بھاگلپور وطن خاص سلسلۂ شہبازیہ کے گل سرسبد، بلند پایہ عالم وخطیب، خانقاہ شہبازیہ کے سجادہ نشیں تھے۔ پورے ملک میں ان کی خطابت کی دھوم تھی۔ شاعرانہ ذوق خداداد۔ صرف نعت و منقبت نگاری سے سروکار رکھا۔ ''سبز حروف کے شجر''، ''برگ ثنا حرف حرف'' اور'' جلوۂ گل لفظ لفظ'' یہ تین خوبصورت اور دل افروز مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی نعت نگاری کا امتیازی وصف ان کی جدت پسندی ہے۔ نئے لب و لہجے اور نئے آب ورنگ سے مزین ایسا مرصع کلام شاید ہی پورے ہندوستان میں کسی اور شاعر کے یہاں ملتا ہو۔ میں پورے تیقن اوراعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے باذوق قارئین کرام نے اتنی عمدہ نعت نئے لب و لہجے شاید ہی کبھی اور کہیں پڑھی ہو۔ اسی لئے میں حضرت ضیاؔء بھاگل پوری کی دو نعتیں پیش کر رہا ہوں۔ جو ان کے پہلے مجموعہ ''سبز حروف کے شجر'' سے ماخوذ ہیں ۔

لُغت ، حروف، کتابت ، زبان قلم کاغذ
نبی کے ذکر نے سب کا رکھا بھرم کاغذ

حدیث حسن نبی ہے جہاں رقم کاغذ
خدا کا ایسے ورق پر بڑا کرم کاغذ

تو ایک نرم سا پتہ ، تری حقیقت کیا
بڑھایا نعت نبی نے ترا حجم کاغذ

تمام ہو نہ کبھی حرف میم کی تفسیر
ہزار بار بھی تولے اگر جنم کاغذ
یہ کام صرف خدا کا ہے، تجھ سے کب ہوگا
احاطہ وصف نبی کا نہ کر رقم کاغذ
جو اور کچھ نہیں ممکن تو زرد چہرے پر
ثنائے شاہ میں لکھ ن والقلم کاغذ
تو محترم ہے کہ تجھ میں نبی کے لکھے ہیں
صفات، نام، لقب، کنیت، علم، کاغذ
رہے گی نعت نبی اور سب فنا ہوں گے
نہ ایک حرف، نہ خامہ، نہ تو نہ ہم کاغذ
ہر ایک شعر سے پہلے بطور نذر ضیآء
لہو کی بوند سے کرتا تھا تجھ کو نم کاغذ

....

سبز شجر سے پتّا لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے
شاخ حنا کا خامہ لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے
ان سے کام نہیں چلنے کا، یہ سب لفظ ادھورے ہیں
جیسی ذات ہے ویسی لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے
عشق علی کا جس سے چھلکے، شیرینی حسّان کی دے
مانگ کے لہجہ ایسا لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے
روح القدس کے سبز پرندے دعا کے موتی برسائیں
شعر کا وہ سرمایہ لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے

رنگ پہ منظر، قد بہ صنوبر، رخ پہ بہاریں سجدہ ریز
پیکر نور لٹا تا لاؤ نعت نبی کی لکھنی ہے

رمز، کنایہ، حسن بلاغت، نکتہ، تلمیح و تشبیہ
قطرہ ہے سب ، دریا لاؤ، نعت نبی کی لکھنی ہے

نور کے تیسوں پارے کھولو رحل فکر پہ تم بھی ضیاءؔ
نیا قصیدہ بُردہ لاؤ، نعت نبی کی لکھنی ہے

اسدؔ رضوی

سال پیدائش : ۹؍دسمبر ۱۹۵۶ء　　　　حی القائم

نام سید اسد علی رضوی، قلمی نام اسد رضوی۔ ولادت محمد پور مبارک پور، ضلع مظفر پور میں ہوئی والد کا نام سید محمود الحسن رضوی مرحوم۔ تعلیم بی ایس۔سی، بہار یونیورسیٹی، مظفر پور سے اور ڈپلوما ان کمپوٹر سائنس (نئی دہلی) سے کیا۔ ادبی سفر کا آغاز ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ شاعری افسانہ نگاری، ڈرامہ نگاری، تحقیق اور صحافت ان کا خاص میدان ہے۔ کئی بار بیرون ممالک کے سفر بھی کئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ادبی اعزازات سے بھی نوازے جا چکے ہیں جن میں دِنکر سمان، شکیل بدایونی سمان، شاد عظیم آبادی سمان قابلِ ذکر ہیں۔ موصوف کی کئی کتابیں بھی منظر عام ہو چکی ہیں۔ جن میں ''لہو کی شاخ''، ''لہو کا دریا'' بہت اہم ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں زیر ترتیب ہیں۔ جو جلد ہی منظرِ عام پر آنے والی ہوں گی۔ نعت گوئی سے خصوصی شغف ہے۔ وہ خوش کلام بھی ہیں اور خوشنوا بھی۔ فکری وفنی محاسن سے آراستہ و پیراستہ ان کی نمائندہ نعت پیش کی جا رہی ہے۔

دن کا دن نور کا رات بھی نور کی
تیرگی دیکھ لے زندگی نور کی

مدح نورِ خدا میں زباں کیا کھلی
شعر بھی نور کا شاعری نور کی

آج پھولوں میں پھر زندگی آ گئی
آج گلشن میں ہے دلکشی نور کی

یہ زمیں نور کی ، آسماں نور کا
میرے آنگن میں یہ چاندنی نور کی

شاہ راہ مدینہ بھی ہے نور کا
ہے مدینے کی ساری گلی نور کی

عیدِ جشنِ ولادت مناؤ اسدؔ
ہو رہی ہے یہ مدحِ نبی نور کی

ظفؔر صدیقی

سال ولادت : ۱۹۵۶ء حی القائم

اصل نام محمد ظفر، قلمی نام ظفر صدیقی۔ والد کا نام محمد ناظم ،موضع پوکھریرا، سیتامڑھی بہار میں ان کی پیدائش ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ ابھی پھلواری شریف، پٹنہ میں رہتے ہیں۔ان کو شاعری میں غزل اور نعت سے گہرا شغف ہے۔''بعد از خدا'' ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ جو ۲۰۰۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ان کی نعت پاک بے حد روح پرور ہے اور محبت رسول میں ڈوب کر لکھی گئی ہے۔ جو ان کے سچے محبّ رسول ہونے کی دلیل ہے۔مشاعروں میں نعت خوانی کی بدولت وہ پورے بہار، جھارکھنڈ، بنگال اور اڑیسہ میں اپنی مکمل شناخت رکھتے ہیں۔نعت کے فن پر ان کی گہری نظر ہے۔اس لئے ان کی نعتیں ادبی محاسن کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

دنیا میں وہ دنیا کی سہولت کے لئے ہے
محشر میں بھی لوگوں کی شفاعت کے لئے ہے

وہ ذاتِ مقدس جو محبت کے لئے ہے
سر تا بہ قدم لطف و عنایت کے لئے ہے

اِک بھیڑ سی رہتی ہے وہاں ہاتھ پسارے
طیبہ میں جو دربار سخاوت کے لئے ہے

اِک ہم ہیں کہ ہم کو نہیں احساس کسی کا
اِک وہ ہے کہ وہ سب کی ضرورت کے لئے ہے

دشمن کے بھی گھر جائیں نہ کیوں بہرِ عیادت
دنیا میں قدم آپ کا رحمت کے لئے ہے

بوجہل ہدف تجھ کو بنا ہی نہیں سکتا
اللہ ترا تیری حفاظت کے لئے ہے

ہر بندۂ مولا ترے کردار کا قائل
ہر پارۂ قرآں تری مدحت کے لئے ہے

وہ چہرہ مہ و خور کو ضیاء بخشنے والا
وہ زلف چمن زار کی نکہت کے لئے ہے

جو کعبۂ مقصود ہے جو روضۂ محبوب
بیتاب ظؔفر اس کی زیارت کے لئے ہے

سید محمد اشرف مارہروی

سال ولادت : ۱۹۵۷ء　　　　　　حی القائم

نام سید محمد اشرف، قلمی نام بھی یہی۔ والد گرامی کا نام مولانا سید حیدر حسن علیہ الرحمہ قصبۂ مارہرہ ضلع، ایٹہ، اتر پردیش میں مستقل رہائش ہے۔ جو صدیوں سے سادات کرام کی بستی ہے۔ خانقاہ برکاتیہ کی بدولت پورے آفاق میں مشہور ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ کرام یہاں آرام فرما ہیں۔ علم، تصوف اور شاعری کی تثلیث ہر دور میں یہاں وجہ امتیاز و افتخار رہی ہے۔ سید محمد اشرف کی ابتدائی تعلیم والد کے زیر سایہ ہی ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ گئے۔ جہاں سے امتیازات کے ساتھ گریجویشن کیا۔ اس کے بعد انڈین یونین سروس کے مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہوئے اور پہلی کوشش میں ہی شاندرا کامیابی حاصل کی۔ سرکاری ملازمت ملی اور ترقی کر کے انکم ٹیکس کمشنر کے بلند منصب تک پہنچ کر متقاعد ہوئے۔ فکشن سے آپ کو فطری مناسبت رہی ہے۔ کئی افسانوی مجوعے اور ناول منظر عام پر آچکے ہیں۔ اشرف صاحب کی شہرت برصغیر کی سرحدوں کو پھلانگ کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکی ہے۔ آپ کو حکومت مدھیہ پردیش کی جانب سے اقبال سمّان ایوارڈ ملا۔ اشرف بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ نعت و منقبت کا مجموعہ ''صلو علیہ والہ'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ عشق رسول اور محبت اہل بیت خون کی طرح ان کی رگوں میں موجزن ہے۔ درج ذیل نعت پاک ان کے مجموعہ نعت ''صلوا علیہ والہ'' سے پیش کی جا رہی ہے۔ جو دراصل امام احمد رضا کے کلام پر تضمین ہے ؎

ختم ہوتا ہی نہیں ، وہ ہے خزانہ تیرا
روز بٹنے پہ بھی گھٹتا نہیں باڑا تیرا
ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں، ملے صدقہ تیرا
''واہ کیا جود کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا''

دہر ہے زیرِ نگیں جس کے وہ قریہ تیرا
منزلیں ڈھونڈتی ہیں جس کو وہ رستہ تیرا
ابنیا فیض اٹھاتے ہیں وہ رتبہ تیرا
''تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرا تیرا''

تجھ کو مالک کہیں ، مولیٰ کہیں، آقا جانیں
رحمتِ حق تجھے ہم رحمتِ والا جانیں
ہم زمیں والے ہیں کم عقل، تجھے کیا جانیں
''فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا''

چاہنے والا نہ اس جیسا، نہ تم جیسا حبیب
تم تو ایسے ہو کے محبوب جو ہے سب کا رقیب
غیریت آئے کہاں سے کہ ہو تم اتنے قریب
''میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا''

تیرے بیمار ہیں، کیوں اور مسیحا دیکھیں
تو جب اپنا ہے تو کیوں اور کا در کیا دیکھیں
تیرے منگتے ہیں کسی اور کا در کیا دیکھیں
"تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا"

کس سے خوبی ہو بیاں تیری کہ ہے شان رفیع
مرتبہ ایسا ہے تیرا کہ کہیں اس کو وقیع
اِک نظر اشرف خستہ پہ ہو للہ سمیع
"تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا"

سیّد صبیح الدین صبیحؔ رحمانی

تاریخ ولادت : ۱۹۶۵ء حی القائم

نعتیہ ادب کی ترویج واشاعت اور تحقیق وتنقید کے حوالے سے کراچی، پاکستان کے معروف نعت گو، نعت خواں اور نعت پسند شاعر سیّد صبیح الدین صبیحؔ رحمانی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ جو ۱۹۹۵ء سے ''نعت رنگ'' کے ذریعے نعتیہ شاعری کے جداگانہ ادبی تشخص اور فنی حیثیت کو تسلیم کرانے کے لئے نہ صرف سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں، بلکہ مقصود تک رسائی کے لئے جو اسباب وذرائع لازم تھے۔ ان کی طرف عملی پیش رفت بھی کر رہے ہیں۔ ''نعت رنگ'' اب محض ایک علمی وتحقیقی مجلّہ نہیں رہا۔ رفتہ رفتہ یہ اردو دنیا کے ادیبوں، شاعروں، تحقیق کاروں اور ناقدین کا نیٹ ورک بن گیا ہے۔ موصوف کراچی یونیورسیٹی سے ایم۔اے (سیاسیات) ہیں اور اس وقت Qtv میں بحیثیت ڈائرکٹر آف پروگرامنگ کا کام کررہے ہیں۔ آپ نے دوران طالب علمی نویں کلاس سے ہی نعتیہ شاعری کا آغاز کردیا تھا۔ اور اب تک دو مجموعۂ کلام شائع ہوچکے ہیں۔ موصوف نے ۱۹۹۵ء میں ''ادارہ اقلیم نعت'' کی بنیاد رکھی اور ''نعت رنگ'' کی اشاعت کا آغاز کیا'۔ بعد میں 'اقلیم نعت'' کا نام بدل کر انٹرنیشنل نعت ریسرچ سینٹر، کراچی'' کر دیا ہے جس سے اب تک ''نعت رنگ'' کے ۳۰ رشماروں کے علاوہ نعتیہ ادب پر تیس سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ نعتیہ پروگرام کے سلسلے میں شرکت کے لئے آپ کینڈا، دوبئ، سعودی عرب، وغیرہ ملکوں کے سفر بھی کر چکے ہیں۔ ان کا کلام ملاحظہ فرمائیں ۔

(بہ شکریہ ''روبرو'' از خوشتر نورانی)

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لئے حاضر غلام ہو جائے

نظر سے چوم لوں اس پاک سبز گنبد کو
بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہو جائے

تجلیات سے بھرلوں میں کاسۂ دل و جاں
کبھی جو ان کی گلی میں قیام ہو جائے

حضور آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل
سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہو جائے

حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے

ملے مجھے بھی زبان بوصیریؔ و جامیؔ
میرا کلام بھی مقبول عام ہو جائے

مزا تو جب ہے فرشتے یہ حشر میں کہہ دیں
صبیحؔ ! مدحت خیر الانام ہو جائے

ڈاکٹر امجد رضا امجؔد

سال پیدائش: ۱۹۷۲ء حی القائم

نام امجد رضا خان، قلمی نام امجد رضا امجؔد۔ موضع گنگٹی ضلع سیتامڑھی میں پیدا ہوئے والد گرامی کا نام عبدالغفور خان حامدی مرحوم۔ امجد صاحب کی ابتدائی تعلیم بستی میں ہی ہوئی۔ اعلیٰ عربی و فارسی تعلیم جامع قادریہ مقصود پور، مظفرپور سے حاصل کی اس کے بعد تکمیل تعلیم دارالعلوم امجدیہ ناگپور، مہاراشٹر سے کی۔ مگدھ یونیورسیٹی بہار سے اردو میں ایم۔اے، کیا اور معروف ادیب و ناقد پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ کی رہنمائی میں ''امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں'' کے موضوع پر پی ایچ۔ڈی، کی ڈگری حاصل کی۔ لوح قلم سے بے پایاں شوق وشغف کے سبب اپنے ہم عصروں اور ہم سفروں میں ہمیشہ ممتاز رہے اور آج بھی ایک بلند پایہ خطیب، صاحب طرز ادیب، باشعور ناقد، باکمال شاعر اور نامور صحافی کی حیثیتوں میں ہندو پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں مشہور و مقبول ہیں ادارۂ شرعیہ کے ترجمان ماہنامہ ''رفاقت'' اور سہ ماہی ''رضا بک ریویو'' کے لائق مدیر رہ چکے ہیں اور ان دنوں دوماہی ''الرضا'' ان کی محکم ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ دین و شریعت سے گہرا لگاؤ ہے اور عشق رسول تو ورثہ میں ملا ہے۔ ان کا پورا خانوادہ اس دولت بیدار کا حامل ہونے کے باعث قدر و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ رسول گرامی وقار کی عظمت و تقدیس کا پرچم بلند کرنا ان کی زندگی کا سب سے اہم مشن اور نصب العین ہے۔ اصناف سخن میں غزل و نظم اور قطعہ نگاری سے گہری دلچسپی ہے مگر صنف نعت سے جو والہانہ وابستگی ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہے، عشق و وارفتگی میں ڈوبی ہوئی ان کی یہ نعت ملاحظہ ہو۔

ہوا ذوق جنوں یوں معتبر آہستہ آہستہ
لہو ہونے لگا اپنا جگر آہستہ آہستہ

سناتا جا رہا ہے نغمۂ درد جگر کوئی
ہوئی جاتی ہے اپنی چشم تر آہستہ آہستہ

مدینے میں ذرا رکھنا بھرم اے آگہی میری
ہوا جاتا ہوں خود سے بے خبر آہستہ آہستہ

منقش پتلیوں میں ہے شبیہ گنبد خضریٰ
ملی مجھ کو یہ معراج نظر آہستہ آہستہ

مری وارفتگی ایک دن یقیناً رنگ لائے گی
کہ آتا ہے درختوں میں ثمر آہستہ آہستہ

ذرا جی بھر کے لینے دے مزہ جام شہادت کا
تو میری جان لے قاتل مگر آہستہ آہستہ

تمہاری نعت کو مل جائے گا رنگ رضا امجدؔ
تمہارا فن بھی ہوگا معتبر آہستہ آہستہ

Notes